علامہ شامیؒ کی مایۂ ناز تصنیف "شرح عقود رسم المفتی" کے مباحث کو حل کرنے کے لیے ایک مفید اور آسان کتاب؛ جس میں منصب افتا کی اہمیت ونزاکت، طبقات فقہا، طبقات مسائل، متعارض اقوال میں ترجیح کے اصول، کتابوں کے غیر معتبر ہونے کی وجوہات مفہوم اور عرف کے تفصیلی مباحث، مشاہیر فقہاءِ کرام کا مختصر تعارف اور فقہی رموز و اصطلاحات پر آسان اور منفرد انداز میں مدلل گفتگو کی گئی ہے۔

نسیمُ المفتی

مرتب

مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر (۱) پھلواری شریف، پٹنہ

زیر تعاون

مولانا محمد قاسم صاحب مظاہری

علامہ شامیؒ کی مایۂ ناز تصنیف ”شرح عقود رسم المفتی“ کے مباحث کو حل کرنے لیے ایک مفید اور آسان کتاب؛ جس میں منصب افتا کی اہمیت و نزاکت، طبقات فقہا، طبقات مسائل، متعارض اقوال میں ترجیح کے اصول، کتابوں کے غیر معتبر ہونے کی وجوہات، مفہوم اور عرف کے تفصیلی مباحث، مشاہیر فقہاء کرام کا مختصر تعارف اور فقہی رموز و اصطلاحات پر آسان اور منفرد انداز میں مدلل گفتگو کی گئی ہے۔

نسیم المفتی

مرتب

مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر (۱) پھلواری شریف، پٹنہ

نام کتاب	:	نسیم المفتی
مرتب	:	مفتی رضوان نسیم قاسمی
رابطہ نمبر	:	8986305186
صفحات	:	112
تعداد باراول	:	ایک ہزار (1000)
زیر تعاون	:	مولانا محمد قاسم صاحب مظاہری
اشاعت اول	:	ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ، جولائی ۲۰۱۸ء
ناشر	:	مکتبہ معہد الدراسات العلیا، پھلواری شریف پٹنہ
قیمت	:	

ملنے کے پتے

(۱) معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر (ا) پھلواری شریف پٹنہ۔ 8986305186

(۲) مکتبۃ القاضی، نزد امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔ 9431477268

(۳) دیوبند و سہارنپور کے بڑے کتب خانے۔

(۴) المعہد العالی الاسلامی، شاہین نگر حیدر آباد۔

انتساب

● **اپنے والدین محترمین اور دادی صاحبہ کے نام؛**

جن کی دعائے سحر گاہی کی وجہ سے ہر مشکل چیز آسان ہوگئی،

● **فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کے نام؛**

جنھوں نے بحث وتحقیق کا منہج سکھلایا،

● **فقیہ النفس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کے نام،**

جنھوں نے وقیع کلمات کے ذریعہ، بندہ کے حوصلہ کو تقویت پہنچائی،

● **محقق العصر مولانا مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی کے نام؛**

جن کی صحبت عالیہ کی برکت سے تدریس وتالیف کا ذوق پیدا ہوا،

کسی کی سمت نہ دیکھا تیرے حصول کے بعد

یہی دلیل؛ میرے حسنِ انتخاب کی ہے

فہرست

دوسرا باب: اصول افتا کے بیان میں

تیسرا باب: فقہی رموز واصطلاحات کے بیان میں

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی

جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، بانی وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

افتا نہایت نازک اور اہم ذمہ داری ہے؛ اس لیے کہ مفتی اللہ تعالی کی طرف سے حلال وحرام اور جائز وناجائز کی رہنمائی کرتا ہے اور احکام شرعیہ کی رہنمائی میں اس کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول کے نمائندہ کی ہوتی ہے؛ اسی لیے ہمیشہ علماء کرام نے اس فریضہ کو ادا کرنے میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیا ہے اور حتی المقدور اس خدمت سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کی ہے، اہل علم نے اسی لیے افتا کے اصول مرتب کیے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، اس سلسلہ کی ایک اہم ترین کتاب علامہ شامیؒ کی ''رسم المفتی'' ہے؛ جس میں پہلے انہوں نے اصولِ افتا کو نظم کیا ہے اور خود ہی اس کی شرح فرمائی ہے، یہی کتاب برصغیر میں ''شعبۂ تکمیل افتا''میں نصابی کتاب کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔

اکثر اسلامی علوم پر اردو زبان میں بھی وقیع کام کیا گیا ہے؛ لیکن اصولِ افتا پر عوامی استفادہ کی چیز نہیں ہے اور تمام علما کے لیے بھی نہیں ہے، صرف ان لوگوں کے لیے ہے؛ جو افتا کی تربیت حاصل کریں یا افتا کی خدمت انجام دے رہے ہوں، اسی ضرورت کی طرف توجہ کرتے ہوئے عزیز گرامی مولانا رضوان نسیم قاسمی سلمہ اللہ تعالی نے مختصر مفید رسالہ مرتب کیا ہے۔ راقم الحروف نے پٹنہ کے سفر میں اس رسالہ کو مختلف مقامات سے دیکھا اور مفید پایا۔

عزیزی سلمہ دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور انہوں نے ''المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد''میں تربیت افتا کا کورس کیا ہے اور اس وقت محبی فی اللہ حضرت مولانا مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی زیدت حسناتہ کی زیرنگرانی ''معہد الدراسات العلیا''میں شعبۂ فقہ کے استاذ ہیں، اللہ نے ان کو صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے اور صالحیت سے بھی نوازا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی اس پہلی کاوش کو قبول فرمائیں اور مزید دینی، علمی، قلمی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد

(خالد سیف اللہ رحمانی)

رائے گرامی

متکلم اسلام حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی
استاذ تفسیر وحدیث دار العلوم دیو بند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

شرح عقود رسم المفتی؛ اصول افتا کی ایک اہم ترین اور مایۂ ناز کتاب ہے، عرصہ دراز سے دار العلوم دیو بند اور دیگر بڑے مدارس میں، شعبۂ افتا کے نصاب میں اس کی بنیادی اہمیت ہے۔

کتاب مذکور میں ایک مفتی معتمد کے لیے جتنی چیزیں ضروری ہیں؛ ان کو بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: فتوی دینے کے سلسلے میں کون سی کتابیں معتبر اور کون غیر معتبر ہیں، بعض کتابوں کی بعض دوسری کتابوں پر ترجیح کے وجوہ واسباب، نیز منصب افتا کی کیا ذمہ داری ہے اور اس کے کیا آداب وشرائط ہیں اور اس طرح کے بہت سے قیمتی مباحث سے یہ کتاب مزین ہے؛ لیکن اس کتاب کے تمام مباحث تک رسائی؛ ایک دشوار گذار مرحلہ ہے؛ کیوں کہ اس فن کو حاصل کرنے والے طلبۂ کرام کے لیے یہ پہلی کتاب ہے۔

اس لیے کتاب کے شائقین کے لیے یہ بات باعث مسرت ہے؛ کہ جناب مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی (استاذ معہد الدراسات العلیا، پھلواری شریف پٹنہ) نے کتاب کے تمام مباحث کو آسان، منقح اور مدلل انداز میں سمیٹ دیا ہے؛ جو ایک بہترین، جامع اور مفید خدمت ہے، اللہ تعالی موصوف کی اس گراں قدر محنت کو مقبول اور اہل علم کے لیے بے حد نافع بنائے، آمین۔

احقر محمد راشد اعظمی

دار العلوم دیو بند، ۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ

کلماتِ عالیہ

فقیہ النفس حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری

استاذ فقہ وحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، یوپی

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم،اما بعد:

''شرح عقود رسم المفتی'' اصول افتا پر نہایت مقبول کتاب ہے؛ جو تکمیل افتا کے نصاب میں شامل ہے؛ لیکن حضرت علامہ شامیؒ کا انداز تالیف ایسا ہے کہ بسا اوقات بحث کو سمجھنا ایک عام طالب علم کے لیے مشکل ہو جاتا ہے، اسی لیے حضرات اساتذۂ کرام اس کتاب کے مباحث کو ملخص کر کے طلبہ کے سامنے بیان کرتے آئے ہیں اور بعض کتابیں بھی اسی انداز میں اردو میں شائع ہو چکی ہیں۔

اب مزید مسرت کی بات ہے کہ فاضل گرامی جناب مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی زید علمہ استاذ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ نے ایک منفرد انداز میں کتاب کی تلخیص فرمائی ہے، تمام مباحث کو بہت آسان طریقہ پر سمیٹ دیا ہے اور ساتھ میں مشاہیر فقہاء احناف کا مختصر تعارف بھی شامل کر دیا ہے ؛ جس سے بالخصوص طلبۂ افتا کو کتاب سے استفادہ کرنے میں بہت سہولت ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احقر مؤلف موصوف کو مبارک باد دیتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور آئندہ اس طرح کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

احقر محمد سلمان منصوری پوری

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد، ۱۴۳۹/۶/۲۶ھ

تقریظ

محقق العصر مولانا مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی

بانی ومہتمم وصدر مفتی دارالافتا: معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ
بانی وناظم: دارالعلوم الاسلامیہ مجھولیا مغربی چمپارن بہار

فقہ وفتاوی اور فتوی نویسی میں اشتغال؛ قدرت کی جانب سے ایک انمول تحفہ ہے؛ جو اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے بہت کم لوگوں کو عطا فرماتے ہیں، جس شخص کو فقاہت کی دولت مل جائے؛ اس کی عظمت کا کیا کہنا؟ امام محمدؒ فرماتے ہیں:

تَفَقَّهْ فَاِنَّ الْفِقْهَ اَفْضَلُ قَائِدٍ اِلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاَعْدَلُ قَاصِدٍ
وَكُنْ مُسْتَفِيدًا كُلَّ يَوْمٍ زِيَادَةً مِنَ الْفِقْهِ واسبَحْ فِي بُحُورِ الفوائدِ
فَاِنَّ فَقِيهًا وَاحِدًا مُتَوَرِّعًا اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

اس منصب کی اہمیت کے پیش نظر، اہل علم نے افتا کے اصول وآداب پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، اس سلسلہ کی سب سے مفید کتاب؛ علامہ شامیؒ کی شرح عقود رسم المفتی ہے؛ جو شعبۂ افتا میں داخل نصاب ہے، چوں کہ کتاب کے بعض مباحث بے جا طویل اور بعض بحثیں انتہائی مختصر ہیں؛ اس لیے اساتذۂ کرام ان مباحث کو ملخص اور منضبط کر کے، طلبہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی عزیز گرامی مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی استاذ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ کی "نسیم المفتی" ہے؛ جسے ہندستان کے سرخیل علماء کرام نے پسند کیا ہے، مجھے قوی امید ہے کہ موصوف کی یہ کتاب؛ شرح عقود رسم المفتی کی طرح قبولیت عامہ حاصل کرے گی اور طلبۂ افتا واساتذہ کے لیے، رسم المفتی کے مباحث کو حل کرنے میں بہترین معاون ثابت ہوگی، اللہ تعالی موصوف کی مساعیٔ حسنہ کو قبول فرمائے، مزید ترقیات سے نوازے اور اس کتاب کو مفید عام وخاص بنائے، آمین

محمد جنید عالم ندوی قاسمی
صدر مفتی دارالافتاء معہد الدراسات العلیاء

تائیدی کلمات

فقیہ النفس استاذ محترم حضرت مولانا مفتی شاہد علی صاحب قاسمی

معتمد تعلیم و استاذ فقہ المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین. اما بعد!

فتویٰ نویسی کے اصول وآداب سے متعلق باضابطہ کتابیں بہت کم لکھی گئی ہیں؛ البتہ بعض فقہا نے اپنے فتاویٰ کی کتابوں کے آغاز میں کچھ آداب بیان کیے ہیں، جیسے ''فتاویٰ قاضی خان'' میں قاضی خانؒ نے کیا ہے، اس موضوع پر علامہ شامیؒ کی کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کافی مشہور ہے اور ''تخصص فی الفقہ والافتا'' کے شعبہ میں عام طور پر یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب میں بعض بحثیں مختصر اور بعض پہلو طویل ہیں، ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس کی اہم بحثوں کو مزید منضبط کیا جائے اور جہاں مزید کلام کی ضرورت ہے اس پر تفصیل پیش کی جائے۔

الحمد للہ مولانا رضوان نسیم قاسمی زیدت حسناتہ استاذ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ نے شرح عقود رسم المفتی کو سامنے رکھ کر اس موضوع کی بعض اہم کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے بہتر تلخیص تیار کی ہے؛ خصوصاً طبقات فقہا پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، اسی طرح ترجیح کے اصول کو مختلف نوعیتوں سے منقح کر کے منضبط کیا ہے؛ اس لیے یہ کتاب شعبۂ افتا کے طلبہ کے لیے خصوصاً اور اساتذہ کے لیے عمومی طور پر کافی مفید ہے۔

دعا ہے کہ مؤلف کتاب کی اس قلمی علمی کاوش کو اللہ تعالیٰ بے حد قبول فرمائیں اور دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا ذریعہ بنائیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

شاہد علی قاسمی
استاذ فقہ المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

۸؍شعبان ۱۴۳۹ھ
۲۵؍اپریل ۲۰۱۸ء

کلمات تبرک

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب قاسمی

استاذ تفسیر وفقہ: خادم العلوم باغوں والی مظفر نگر یوپی

فتوی نویسی ایک بہت نازک اور اہم ذمہ داری ہے؛ اس لیے کہ ایک مفتی کی حیثیت اللہ تعالی کے نمائندہ کی ہوتی ہے؛ جو مسلمانوں کو ان کی زندگی کے تمام مراحل میں احکامِ خداوندی سے آگاہ کرتے ہیں، اسی نزاکت کی وجہ سے ہمارے اسلاف اس ذمہ داری سے حتی الامکان اپنا دامن بچایا کرتے تھے اور جن کو وہ اپنے سے علم وعمل میں برتر سمجھتے تھے؛ ان سے مسئلہ پوچھنے کے لیے کہا کرتے تھے؛ لیکن افسوس کہ آج معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے، ہر آدمی؛ مسجد سے لیکر سوشل میڈیا تک فتوی دیتا ہوا نظر آتا ہے، حالاں کہ فتوی نویسی کے شرائط وآداب اور افتا کے اصول وضوابط سے وہ بالکل ناواقف ہوتا ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو زبان میں بھی اس موضوع پر کام کیا جائے اور لوگوں کو اس ذمہ داری کی اہمیت ونزاکت اور افتا کے اصول وضوابط سے آگاہ کیا جائے، مجھے بہت خوشی ہے کہ مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ نے اصول افتا پر ایک آسان، مفید، مدلل اور جامع کتاب لکھی ہے، اللہ تعالی ان کو مزید علمی ترقیات سے نوازیں، آمین۔

العبد محمد اعظم قاسمی

خادم دارالافتا: خادم العلوم باغوں والی مظفر نگر یوپی

حرف آغاز

الحمد لله حمدا موافیا لنعمه مکافیا لمزیده والصلوة و السلام علی سیدنا محمد و آله و اصحابه و جنوده.

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کی زندگی، خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ملکی سطح پر ہو یا بین الاقوامی پیمانہ پر؛ صراط مستقیم پر اس وقت تک گامزن نہیں رہ سکتی؛ جب تک کہ اس امت میں ایسے افراد موجود نہ ہوں؛ جو حلت و حرمت اور جائز و ناجائز کی بابت امت کی صحیح رہنمائی کر سکیں، ہر مسلمان زندگی کے تمام شعبوں سے واقفیت نہیں رکھ سکتا؛ اس لیے کہ انسانی زندگی کے مسائل؛ بے شمار ہیں، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقیات؛ روز نئے مسائل کو جنم دے رہی ہیں، اقتصادیات، تجارت، سیاست، میڈیکل؛ الغرض انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں مسائل کی بہتات ہیں اور ہر طبقہ کے افراد طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔

اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ فتوی نویسی کے موضوع پر کتابیں تالیف کی جائیں؛ جس میں افتا کے اصول وضوابط، مفتی کے شرائط و اوصاف اور فتوی نویسی کے آداب و احکام پر تفصیلی گفتگو ہو، جس کی روشنی میں علماء کرام امت کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔

اس سلسلہ کی سب سے جامع اور مفید کتاب؛ علامہ شامیؒ کی شرح عقود رسم المفتی ہے؛ جس میں علامہ شامیؒ نے افتا کے اصول وضوابط پر تفصیلی کلام کیا ہے، لیکن علامہ شامیؒ کا انداز تالیف؛ دیگر مصنفین سے قدرے مختلف ہے، وہ عموماً اپنی طرف سے کوئی مسئلہ بیان نہیں کرتے

ہیں؛ بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے دوسرے فقہا اور ان کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں، جس کی وجہ سے؛ بسا اوقات رسم المفتی کے مباحث اور اصولوں کا سمجھنا؛ ایک عام طالب علم کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر بندہ نے رسم المفتی کے مباحث اور اصولوں کی آسان اردو زبان میں تلخیص وتسہیل کیا ہے، نیز جو مباحث رسم المفتی میں تشنہ تھیں، ان پر سیر حاصل بحث کیا ہے، اسی طرح فقہی رموز و اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے مشاہیر فقہاء احناف کا مختصر تعارف بھی شامل کردیا ہے، اللہ رب العزت کی ذات سے قوی امید ہے کہ یہ کتاب مفید عام و خاص ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہدیۂ تشکر و امتنان

سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا ہوں؛ کہ اس نے محض اپنے لطف و کرم سے اس مختصر سی کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اس کے بعد اپنے والدین کا شکر ادا کرنا؛ اپنے لیے فرض سمجھتا ہوں؛ جن کی دعائیں ہر موڑ پر، اس عاجز کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئیں۔

راقم الحروف؛ فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، متکلم اسلام مفتی محمد راشد صاحب اعظمی، فقیہ النفس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری، فقیہ النفس مفتی شاہد علی صاحب قاسمی، مفتی محمد اعظم صاحب قاسمی، مفتی محمد مصطفیٰ صاحب قاسمی، مفتی محمد اشرف صاحب قاسمی، مفتی محمد اعظم صاحب ندوی اور مولانا قاری جلال الدین صاحب مظاہری استاذ جامعہ اسلامیہ قرآنیہ سمرا مغربی چمپارن کا تہ دل سے شکر گذار ہے؛ جنھوں نے وقیع کلمات کے ذریعہ بندہ کی حوصلہ افزائی کی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر مشفق و مربی، نمونۂ اسلاف محقق العصر مولانا مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی کا شکریہ نہ ادا کروں؛ جنھوں نے اس کتاب کے سلسلہ میں مفید مشوروں سے نوازا اور یہ کتاب؛ یقیناً انھیں کی صحبت عالیہ کا ثمرہ ہے۔

ناچیز اس موقع پر معہد الدراسات العلیا کے مخلص اساتذۂ کرام؛ مفتی محمد کلیم اللہ صاحب قاسمی، مولانا ذکی احمد صاحب جنیدی، قاری وجیہ الدین صاحب جامعی اور قاری محمد شاداب صاحب جامعی کو کیسے بھلاسکتا ہے؛ جن کی رفاقت بندہ کے لیے باعث افتخار ہے۔

میرا قلم اپنے مخلص دوست مولانا محمد قاسم صاحب مظاہری (کٹھیروا، سمستی پور) کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے؛ جو دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں خطیر رقم عطا فرما کر حصہ لیا ہے۔

خوشی کے اس موقع پر، عزیزم مولانا مجیب الحق ضیاء قاسمی موتیہاری (متعلم: شعبۂ افتا معہد الدراسات العلیا)، مولوی محمد منہاج الحق صاحب موتیہاری (متعلم عربی چہارم: دارالعلوم وقف دیوبند) اور اپنے تمام رفقاء کرام ؛ بالخصوص: مفتی عبد القادر صاحب قاسمی خیرابادی، مفتی محمد ابو ہلال صاحب قاسمی آسامی، مفتی عبدالودود صاحب قاسمی ارریاوی، مفتی محمد شاہکار صاحب قاسمی مدھوبنی اور مولانا شکیل محمود صاحب قاسمی آسامی کا بھی ممنون و مشکور ہوں؛ کہ اس کتاب کی اشاعت میں ان تمام احباب کا حصہ ہے۔

نیز اس حسین موقع پر میں اپنے رفیق مکرم جناب کاتب ذوالفقار حیدر، پٹنہ کو کیسے فراموش کرسکتا ہوں؛ جنھوں نے کتاب کی تزئین وتنسیق اور طباعت کے مرحلے کو بہت بہتر اور خوبصورت طریقے سے انجام دیا ہے۔

اخیر میں دعا ہے کہ حق تعالی محض اپنے فضل وکرم سے اس معمولی کاوش کو قبول فرمائیں اور عاجز کے والدین، اساتذۂ کرام اور جملہ محسنین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں، آمین

یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین، صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین.

رضوان نسیم قاسمی

مقدمہ از: مؤلف

منصب افتا کی اہمیت ونزاکت

منصب افتا؛ ایک عظیم الشان منصب ہے،اس کی فضیلت و اہمیت ہر شخص پر روز روشن کی طرح عیاں ہے،اس کام کی اہمیت وعظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے فتوی دینے کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے،ارشاد خداوندی ہے﴿قُلِ اللّٰهُ يُفتِيكُمْ فِي الْكَلالَةِ﴾ (النساء:۱۷۶) دوسری جگہ ارشاد ہے﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾(النساء:۱۲۷) گویا اللہ تعالی کی ذات خود مفتی ہے۔

للہ تعالی کے بعد محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ؛ اپنی حیات طیبہ میں منصب افتا پر فائز تھے اور وحی کے ذریعہ اللہ تعالی کی طرف سے فتوی دیا کرتے تھے،احادیث کی کتابیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاوی سے بھری ہوئی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام، مجتہدین عظام اور علماء ربانیین نے بھی اس اہم فریضے کو بہت احسن طریقے سے انجام دیا؛ جس سے اس کام کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

امام ابن قیم جوزیؒ فقہا اور مفتیان کرام کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "قَلَمُ التَّوْقِيعِ عنِ اللهِ و رسولِهِ ؛ هو قلمُ الفقهاءِ والمفتين،و هذاالقلمُ ايضا حاكمٌ غيرُ محكومٍ عليه،فَإِلَيه التحاكمُ فى الدماءِ والاموالِ والفُروجِ والحقوقِ،واَصْحابُه مُخبِرُونَ عنِ اللّٰهِ بِحُكمِهِ الَّذى حَكَمَ بَيْنَ عِبادِهِ،واَصْحابُه

حُکَّامٌ و مُلُوکٌ عَلٰی اَربابِ الاَقْلامِ،وَاَقلامُ العالَمِ خَدَمٌ لِهٰذا الْقَلَمِ" (التبیان فی اقسام القرآن: ۱۳۸)

"اللہ اور اس کے رسول کا ترجمان قلم؛ فقہا اور مفتیان کرام کا قلم ہے، یہ وہ قلم ہے؛ جس کا حکم سب پر چلتا ہے، اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، خون، مال اور دیگر حقوق کا فیصلہ اسی قلم سے ہوتا ہے اور اس قلم کے حاملین؛ بندوں کو اللہ کے احکامات سے واقف کراتے ہیں اور اس قلم کے حاملین؛ دیگر اہل قلم کے حاکم و بادشاہ ہیں اور دنیا کے سارے قلم؛ اس قلم کے خدمت گذار ہیں"۔

دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

"فُقهاءُ الاسلامِ و مَن دارَتِ الفُتیا علی اقوالِهِم بَین الانَامِ،الذِین خُصُّوا بِاسْتِنْباطِ الاَحکامِ ،وعُنُوا بِضَبطِ قَواعدِ الحلالِ والحرامِ،فَهُم فی الارضِ بِمَنزِلَةِ النُّجُومِ فی السَّماءِ،بِهِم یَهتَدی الْحَیْرانُ فی الظُّلَماءِ،و حاجَةُ النّاسِ الیهِم اَعظَمُ مِن حاجَتِهِم اِلی الطَّعامِ وَ الشَّرابِ ،وَ طَاعَتُهُم اَفْرَضُ عَلَیهِم مِن طاعةِ الآباءِ وَالْاُمَّهاتِ بِنَصِّ الْکِتابِ"(اعلام الموقعین: ۱۴/۲)

"فقہاء کرام اور مفتیان عظام کی وہ جماعت؛ جنہوں نے اپنے آپ کو استنباطِ احکام و استخراجِ مسائل کے لیے خاص کرلیا اور حلال وحرام کو جاننے کے لئے جو قواعد وضوابط مرتب کیے ؛وہ تاریک راتوں میں ستاروں کے مانند ہیں، اندھیروں میں بھٹکنے والے انھیں سے روشنی پاتے ہیں، لوگ کھانے اور پانی سے زیادہ، مفتیان عظام کے محتاج ہیں (اس لیے کہ کھانے اور پانی کے نہ ہونے سے، محض چند روزہ زندگی کو خطرہ ہوگا؛ لیکن حکم شرعی کی بابت، کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو؛ تو ایمان ہی خطرہ میں پڑجائے گا) اور قرآن مجید کی رو سے، فقہاء کرام کی اطاعت کرنا؛ لوگوں پر ماں باپ کی اطاعت سے زیادہ فرض ہے"۔

اس جلیل القدر منصب کی فضیلت اس سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ انسان کو اس علم سے

جو عزت ملتی ہے وہ کسی اور چیز یا دیگر علوم سے نہیں حاصل ہوسکتی، کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے

اِذا مـا اعْتـزَّ ذُو عِلْمٍ بِعِلْمٍ　　　فَـعِـلْـمُ الْفِقْـهِ اَولٰی بِـاعْتِزازٍ

فَـكَـمْ طِيْـبٍ يَفُوْحُ وَ لا كَمِسْكٍ　　　وَكَـمْ طَيْـرٍ يَـطِيْـرُ و لا كَبـازِی

ترجمہ: اگر کوئی علم والا کسی علم سے عزت حاصل کرنا چاہتا ہے؛ تو علم فقہ؛ عزت دلانے میں سب سے زیادہ موزوں ہے؛ اس لیے کہ کتنی ہی خوشبوئیں پھیلتی ہیں؛ لیکن مشک کی طرح نہیں ہوتیں اور کتنے ہی پرندے اڑتے ہیں؛ مگر شکرہ کی طرح نہیں اڑتے۔(فتوی نویسی کے رہنما اصول:۶۲)

فتوی دینے میں احتیاط

فتوی نویسی کا منصب جتنا مقدس اور اہم ہے؛ اتنا ہی حساس اور نازک بھی ہے، اس لیے کہ ایک مفتی کی حیثیت ؛ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان، ترجمان کی ہوتی ہے، جو اللہ تعالی کے احکامات سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں، اس لیے فتوی دینے میں خوب احتیاط سے کام لینا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ﴿اَجْـرَأُكُـمْ عَـلـى الْفُتْيـا أَجْرَأُكُمْ عَلى النـارِ﴾ (سنن الدارمی) کہ تم میں سے جو شخص فتوی دینے میں جری ہو؛ وہ دراصل دوزخ پر جری ہے۔

منصب افتا کی اسی نزاکت کی وجہ سے صحابہ وتابعین ؛ فتوی دینے میں بہت احتیاط سے کام لیا کرتے تھے اور جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا؛ تو ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کہ اس کے بجائے اس کا ساتھی اس مسئلہ کو بتلادے۔ ذیل میں یہ عاجز منصب افتا کے سلسلے میں صحابۂ کرام، ائمۂ اربعہ اور اکابر کے احوال واقوال تحریر کرتا ہے۔

صحابۂ کرام کے احوال واقوال

(۱) بدری صحابہ

حضرت براء بن عازب ؓ سے منقول ہے کہ میں نے ایسے تین سو بدری صحابہ کو دیکھا ہے

؛جن کا حال یہ تھا کہ جب ان سے سوال کیا جاتا؛تو ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کا بھائی وہ مسئلہ بتلا دے۔(الفقیہ والمتفقہ :۳۴۹/۲)

(۲)انصاری صحابہ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ سے منقول ہے کہ میں نے ایک سوبیس انصاری صحابہ کو ایسا پایا ہے؛ کہ جن میں سے کسی ایک سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا؛تو وہ دوسرے کا،دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتے تھے(یعنی دوسرے سے پوچھنے کے لیے کہتے تھے) یہاں تک کہ وہ مسئلہ پہلے صحابی کی طرف لوٹ کرآ جاتا تھا۔(الفتوی بین الانضباط والتسیب :۲۱)

(۳)حضرت عمر بن خطابؓ

امام شعبیؒ اورحسن بصریؒ سے منقول ہے،وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے: کہ تم لوگ بعض مرتبہ ایسے مسئلہ کے بارے میں (اکیلے ہی)فتوی دیتے ہو کہ اگر اس جیسا مسئلہ حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے پیش ہوتا؛تو اس کے لیے اہل بدر کو جمع کر لیتے (اور اکیلے اپنی رائے پر اعتماد نہ کرتے)۔(ادب المفتی لابن الصلاح:۷۶)

(۴)حضرت عبداللہ بن عمرؓ

بیشک تم لوگ ہم سے اس طرح سوال کرتے ہو،گویا کہ ہم سے ان فتاوی کے بارے میں نہیں سوال کیا جائے گا؛ جو ہم تمہیں دیتے ہیں۔(الفقیہ والمتفقہ :۳۵۶/۲)

(۵)حضرت عبداللہ بن عباسؓ/ابن مسعودؓ

جو شخص ہر سوال کا جواب دے؛وہ مجنوں ہے۔(الفتوی بین الانضباط والتسیب :۲۲)

ائمۂ اربعہ کے احوال واقوال

(۶)حضرت امام ابوحنیفہؒ

اگر علم ضائع ہونے کا خوف اور اس پر اللہ تعالی کی طرف سے گرفت کا اندیشہ نہ ہوتا؛تو

میں ہرگز فتوی نہ دیتا، کہ وہ (مستفتی) عافیت میں ہو اور بوجھ مجھ پر ہو۔ (آداب الفتوی للنووی:۱۶)

(۷) حضرت امام مالکؒ

جو شخص کسی مسئلہ کی بابت جواب دینا چاہتا ہے؛ تو اسے چاہیے کہ جواب دینے سے پہلے اپنی ذات کو جنت وجہنم کے سامنے پیش کردے اور (یہ سوچے کہ اگر مسئلہ غلط بتلایا؛ تو) کیسے اس سے خلاصی پائے گا؟ پھر جواب دے۔ (ایضا:۱۶)

(۸) حضرت امام شافعیؒ

امام شافعیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک مسئلہ کی بابت سوال کیا گیا؛ تو آپ خاموش رہے اور فرمایا کہ ''جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہاں جواب دینا بہتر ہے یا خاموش رہنا؛ اس وقت تک میں جواب نہیں دوں گا''۔ (ادب المفتی لابن الصلاح:۷۹)

(۹) حضرت امام احمدؒ

مفتی کو یہ بات (اچھی طرح) جان لینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے اس کے اوامر ونواہی کی خبر دیتا ہے اور اس سے اس کی بابت سوال کیا جائے گا۔ (المصباح للراشدی:۳۸)

اکابر فقہا کے احوال واقوال

(۱۰) حضرت عطاء بن سائبؒ

میں نے بہت سے لوگوں کو اس حال میں دیکھا ہے کہ جب ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا؛ تو گفتگو کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ (الفقیہ والمتفقہ:۲/۳۵۳، الفتوی بین الانضباط والتسیب:۲۲)

(۱۱) حضرت سعید بن المسیبؒ

حضرت یحیی بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ سعید ابن المسیبؒ جب بھی فتوی دیتے یا کوئی بات کہتے تھے؛ تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے ''اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِي وَ سَلِّمْ مِنِّي''۔ (ادب المفتی لابن الصلاح:۸۰)

(۱۲) حضرت سفیان بن عیینہؒ

حضرت امام شافعیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ فتوی دینے کی جو صلاحیت اور مطلوبہ استعداد میں نے سفیان بن عیینہؒ میں دیکھی؛ دیگر علما میں نہیں دیکھی، لیکن اس کے باوجود ان سے زیادہ فتوی دینے سے بچتے ہوئے کسی اور عالم کو نہیں دیکھا۔ (آداب الفتوی للنووی:۱۶)

(۱۳) حضرت سحنون تنوخیؒ

فتوی دینے میں کم علم شخص ہی جرأت کرتا ہے۔ (ایضا:۱۵)

(۱۴) حضرت محمد بن واسعؒ

قیامت کے دن حساب کے لیے سب سے پہلے فقہا کو بلایا جائے گا۔ (الفقیہ والمتفقہ:۲/۳۵۷)

(۱۵) علامہ نوویؒ

مفتی اللہ کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے۔ (آداب الفتوی للنووی:۱۴)

(۱۶) محمد بن سیرینؒ

ان کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان سے فقہ میں کسی چیز کی حلت وحرمت کے بارے میں سوال کیا جاتا؛ تو ان کا رنگ متغیر اور تبدیل ہو جاتا، یہاں تک کہ ایسا لگتا تھا کہ یہ وہ نہیں ہیں (بلکہ کوئی اور شخص ہیں)۔ (الفقیہ والمتفقہ:۲/۳۵۳)

(۱۷) علامہ ابن قیمؒ

مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ فتوی دینے میں وہ کس (عظیم ہستی) کا قائم مقام ہے۔ (قاموس الفقہ:۲/۱۸۴)

(۱۸) حافظ ابوبکر خطیب بغدادیؒ

جو شخص بھی فتوی دینے کا حریص ہو، اس کے لیے آگے بڑھتا ہو اور ہمیشہ فتوے دیتا

ہو؛ تو اس کی توفیق کم ہو جاتی ہے اور وہ اپنے معاملہ میں مضطرب رہتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خود اس کو اختیار نہیں کرتا، بلکہ اس کام کو دوسرے پر ٹالتا رہتا ہے؛ لیکن اس سے چھٹکارے کی کوئی گنجائش نہیں پاتا اور وہ مجبوراً فتوی دیتا ہے؛ تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کی خوب مدد ہوتی ہے اور اس کے جواب زیادہ درست ہوا کرتے ہیں۔ (الفقیہ والمتفقہ :۲/۳۵۰)

(۱۹) حضرت تھانویؒ

فقہ کا فن بڑا ہی نازک ہے، میں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا؛ جتنا اس (فتوی دینے) سے ڈرتا ہوں، جب کوئی مسئلہ یا فتوی سامنے آتا ہے؛ دور دور کے احتمالات ذہن میں آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اب میں فتاوی میں دوسروں کا حوالہ دیتا ہوں اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بعضے اس کے اندر زیادہ بے باک ہیں، حالاں کہ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں "آج کل فقہی مسائل میں لوگ بہت دلیر ہیں، سب سے زیادہ مجھے فقہ میں بولتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے، مسائل کا بہت نازک معاملہ ہے، اس میں ہرگز ہر شخص کو دخل نہیں دینا چاہیے"۔ (آداب افتا واستفتا:۴۱)

(۲۰) حضرت مفتی شفیع احمد عثمانیؒ

افتا کا منصب علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے، فقہ کی متماثل جزئیات اور ان کے متعلقہ احکام میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم کا تفاوت محسوس کرنا؛ ہر عالم و مدرس کے بس کی بات نہیں ہے، اس کے لیے فقہ سے کامل مناسبت، ذہن وذکاء میں خاص قسم کی صلاحیت اور قلب میں مادۂ تفقہ کی صلاحیت درکار ہے۔ (دین وشریعت کی بنیادیں اور فقہی اصول وضابطے:۲۷۶)

(۲۱) ایک بزرگ کا قول

حضرت تھانویؒ نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ "جب مجھ سے کوئی

مسئلہ دریافت کرتا ہے؛ تو اس کے جواب سے قبل میں یہ تصور کرتا ہوں کہ اگر قیامت کا میدان ہو، وہاں اللہ تعالی کے سامنے کھڑا کر کے مجھ سے یہ سوال کیا جائے؛ تو کیا میں جواب دے سکتا ہوں اور اس وقت جو جواب دوں گا تو اس جواب کی دلیل بھی مجھ سے پوچھی جائے گی، جب اپنے جواب کی دلیل کے سلسلے میں اطمینان ہو جاتا ہے؛ تو جواب دیتا ہوں؛ ورنہ جواب ہی نہیں دیتا۔ (آداب افتا و استفتا:۴۳)

ماقبل میں اسلاف کے جو اقوال و احوال نقل کیے گئے؛ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے ، کہ کوئی شخص اس ذمہ داری کے قریب نہ آئے ، بلکہ ان باتوں سے محض اس جانب توجہ دلانے کا ارادہ ہے، کہ فتوی دینا بڑا نازک کام ہے اور افتا کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس میں ہر شخص کو نہیں دخل دینا چاہیے ؛ بلکہ وہی شخص فتوی دیا کریں؛ جو کسی ماہر مفتی کی صحبت میں رہ کر باقاعدہ تربیت حاصل کیے ہوئے ہوں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی لازم ہے کہ فتوی دینے میں عجلت اور بے باکی سے کام نہ لیں؛ بلکہ قدم قدم پر اللہ تعالی کا خوف دامن گیر رہے، اللہ تعالی ہم سب کو فقہی بصیرت عطا فرمائے، آمین۔

پہلا باب

طبقاتِ فقہا وطبقاتِ مسائل کے بیان میں

اس باب میں علامہ ابن کمال پاشاؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، علامہ ابن الصلاحؒ اور علامہ لکھنویؒ کے اقوال کی روشنی میں؛ طبقات فقہا، طبقات مجتہدین اور طبقات مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

مرتب

مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر (۱) پھلواری شریف، پٹنہ

طبقاتِ فقہا: علامہ ابن کمال پاشاؒ کے مطابق

علامہ احمد بن سلیمان بن کمال پاشاؒ کے نزدیک فقہاءِ احناف کے سات طبقات ہیں

پہلا طبقہ: مجتہدین مطلق

اس کا اطلاق ان فقہاء کرام پر ہوتا ہے؛ جو بغیر کسی کی تقلید کیے ہوئے، براہِ راست ادلۂ اربعہ سے اصول وکلیات اور فروعات و جزئیات کا استنباط کرتے ہیں، مثلاً: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے درجہ کے مجتہدین۔

دوسرا طبقہ: مجتہدین فی المذہب

اس کا اطلاق ان فقہاء کرام پر ہوتا ہے؛ جو اصول وقواعد میں تو اپنے امام کی پیروی کرتے ہیں؛ لیکن فروعات وجزئیات میں، اپنے امام کی تقلید نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ اپنے امام کے مقررہ کردہ اصول وقواعد کی روشنی میں، براہِ راست ادلہ شرعیہ سے ان مسائل کا استنباط کرتے ہیں، مثلاً: امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور ان کے درجہ کے مجتہدین۔

تیسرا طبقہ: مجتہدین فی المسائل

اس کا اطلاق ان فقہاء کرام پر ہوتا ہے؛ جو اصول وفروع دونوں میں، اپنے امام کے مقلد ہوتے ہیں؛ لیکن جن مسائل میں اپنے امام سے کوئی روایت نہیں پاتے ہیں؛ تو اپنے امام کے اصول وقواعد کی روشنی میں ان مسائل کا استنباط کرتے ہیں، مثلاً: امام احمد بن عمر خصافؒ، امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ، امام ابو الحسن عبید اللہ بن حسین کرخیؒ، شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد حلوائیؒ، شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسیؒ، فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ، فخر الدین حسن بن منصور قاضی خانؒ اور ان کے درجہ کے مجتہدین۔

چوتھا طبقہ: اصحاب التخریج

اس کا اطلاق ان فقہاء کرام پر ہوتا ہے؛ جو اجتہاد کی بالکل قدرت نہیں رکھتے ہیں؛ لیکن اصول وکلیات اور مسائل کی یادداشت کی بنا پر، مجمل قول کی تفصیل کرنے اور دو احتمال رکھنے والے حکم کی تعیین کی صلاحیت رکھتے ہیں، مثلاً: امام ابو بکر احمد بن علی رازیؒ اور ان کے درجہ کے فقہاء کرام۔

پانچواں طبقہ: اصحاب الترجیح

اس کا اطلاق ان فقہاء کرام پر ہوتا ہے؛ جو الفاظِ ترجیح یعنی ھٰذا اولی، ھٰذا اصح ، وغیرہ کے ذریعہ؛ مذہب کے متعارض اقوال میں سے ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیتے ہیں، مثلاً: امام ابو الحسین احمد بن محمد قدوریؒ، امام علی بن ابو بکر الفرغانی المرغینانیؒ اور ان کے درجہ کے فقہاء کرام۔

چھٹا طبقہ: اصحاب التمییز

اس کا اطلاق ان فقہاء کرام پر ہوتا ہے؛ جو مختلف ومتعارض اقوال میں سے ظاہر الروایہ، غیر ظاہر الروایہ، قوی اور ضعیف قول کی شناخت کی صلاحیت رکھتے ہیں، مثلاً: علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفیؒ، علامہ عبد اللہ بن محمود موصلیؒ، تاج الشریعہ محمود بن احمدؒ اور ان کے درجہ کے فقہاء کرام، یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف اقوال نقل کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

ساتواں طبقہ: مقلد محض

اس کا اطلاق ان فقہاء کرام پر ہوتا ہے؛ جو متعارض اقوال میں سے صحیح ، غیر صحیح ، راجح اور غیر راجح قول کی شناخت کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں؛ بلکہ وہ متقدمین فقہا کے فتاوی کے صرف ناقل ہوتے ہیں، مثلاً: آج کل کے اکثر مفتیان کرام۔ (مستفاد از: رسم المفتی: ۴۸ تا ۵۴، المصباح فی رسم المفتی: ۲۶۰ تا ۲۹۵، رد المحتار: ۱/ ۲۸ تا ۳۱، المدخل لعلی جمعہ: ۹۶، ۹۷)

تقسیم پر چند اعتراضات

علامہ ابن کمال پاشاؒ کی اس تقسیم پر، شہاب الدین ہارون بن بہاء الدین المرجانیؒ نے اپنی کتاب ''ناظورۃ الحق'' میں، اسی طرح علامہ محمد بخیت المطیعیؒ نے اپنی کتاب ''ارشاد اھل الملۃ'' میں اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب ''عمدۃ الرعایۃ'' میں مختلف اعتراضات کیے ہیں

پہلا اعتراض

صاحبین کو دوسرے طبقہ میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ صاحبین ؛ فقاہت میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہم پلہ ہیں، جو ان کی کتابوں کے مطالعہ اور اصول وفروع میں ان کے اختلافی اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض

شمس الائمہ حلوائیؒ، علامہ سرخسیؒ، علامہ بزدویؒ اور قاضی خانؒ وغیرہ؛ فقاہت میں امام ابوبکر جصاص رازیؒ سے کم تر ہیں، اس کے باوجود ابن کمال پاشاؒ نے ان فقہا کو تیسرے طبقہ میں اور امام ابوبکر جصاص رازیؒ کو چوتھے طبقہ میں کیسے داخل کر دیا؟

تیسرا اعتراض

علامہ ابن کمال پاشاؒ کا؛ امام خصافؒ، امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ ''وہ اصول وفروع میں اپنے امام سے اختلاف نہیں کرتے ہیں''، واقعہ کے خلاف ہے، اس لیے کہ انھوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحب کے خلاف رائے اپنائی ہے۔

چوتھا اعتراض

قاضی خانؒ کے مقابلہ میں، صاحب ہدایہؒ اور امام قدوریؒ کا درجہ بڑھا ہوا ہے، تو پھر علامہ ابن کمال پاشاؒ کا، ان دونوں حضرات کو پانچویں طبقہ میں اور قاضی خانؒ کو تیسرے طبقہ میں شمار کرنا؛ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ (مستفاد از: عمدۃ الرعایۃ: ۳۳/۱ تا ۳۷، حاشیہ رسم المفتی: عبدالباسط فیاض: ۴۸ و ۴۹، النافع الکبیر: ۱۱ تا ۱۳، فتوی نویسی کے رہنما اصول: ۱۴۹، المدخل لعلی جمعہ: ۹۷ تا ۱۰۵)

اعتراضات کا جواب

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''کہ ابن کمال پاشاؒ کی یہ تقسیم افراد واشخاص کی تقسیم نہیں ہے؛ بلکہ یہ فقہا کے وظائف اور ان کے کام کی نوعیت کی تقسیم ہے، یعنی چند فقہا کا کام؛ اجتہاد فی المسائل ہے، دیگر چند فقہا کا کام؛ متعارض اقوال میں سے ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینا ہے، لہذا! یہ بات ممکن ہے کہ کوئی فقیہ اصلاً اجتہاد فی المذہب کی صفت سے متصف ہو، جس کی وجہ سے انھیں مجتہدین فی المذھب میں شمار کرتے ہیں؛ لیکن ان کی کتابوں میں الفاظِ تصحیح اور علاماتِ ترجیح بھی ملتے ہیں؛ اس لیے ان کو اصحاب التخریج واصحاب الترجیح سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ (اصول الافتاء وآدابہ بتصرف:۱۲۲)

تمرینی سوالات

۱ ۔ علامہ ابن کمال پاشاؒ کے نزدیک فقہا کے کتنے طبقات ہیں؟ بالترتیب اجمالاً جواب دیں۔

۲ ۔ امام ابو یوسفؒ، امام قدوریؒ اور امام رازیؒ کا شمار کس طبقہ میں ہوتا ہے؟

۳ ۔ مجتہدین فی المسائل کا اطلاق کن فقہا پر ہوتا ہے؟

۴ ۔ اصحاب التمییز کی تعریف کرتے ہوئے اس طبقہ میں شامل فقہا کی صراحت کریں؟

۵ ۔ امام طحاویؒ، امام کرخیؒ، امام سرخسیؒ اور امام قدوریؒ کا اصل نام اور کنیت ذکر کریں؟

۶ ۔ علامہ لکھنویؒ کے اعتراضات کا خلاصہ بیان کریں۔

۷ ۔ مفتی تقی عثمانی صاحب کے جواب کا خلاصہ بیان کریں۔

طبقاتِ مجتہدین: شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کے مطابق

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک مجتہدین کے تین طبقات ہیں

پہلا طبقہ: مجتہد مستقل

اس کا اطلاق ان مجتہدین پر ہوتا ہے؛ جو تمام مجتہدین سے مندرجہ ذیل تین خصوصیات کی بنا پر ممتاز ہوتے ہیں: (۱) مجتہد مستقل ان اصول وقواعد میں تصرف کرتے ہیں؛ جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں (۲) مجتہد مستقل قرآنی آیات، احادیث و آثار کو تلاش کر کے ان میں سے جو احکام کا ماخذ ہوتا ہے؛ اس پر متنبہ کرتے ہیں، اسی طرح ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کے متعدد احتمالات میں سے ایک کی تعیین کرتے ہیں (۳) مجتہد مستقل ان مسائل کے احکام کی وضاحت کرتے ہیں؛ جن کے بارے میں قرون مشہود لہا بالخیر کے علما سے کوئی صراحت نہ ہو۔

دوسرا طبقہ: مجتہد مطلق منتسب

اس کا اطلاق ان مجتہدین پر ہوتا ہے؛ جو استنباط کے بنیادی طریقۂ کار اور ان اصول و قواعد میں اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں؛ جو صراحتاً ان کے امام سے منقول ہوتے ہیں؛ البتہ وہ ایسے بعض اصول وقواعد میں اپنے امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں؛ جو صراحتاً ان کے امام سے منقول نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ فقہ وکتبِ اصولِ فقہ میں مذکور ہوتے ہیں۔

تیسرا طبقہ: مجتہد فی المذہب

اس کا اطلاق ان مجتہدین پر ہوتا ہے: جو ان اصول وقواعد میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کرتے ہیں؛ جو ان کے امام سے مروی ہوتے ہیں، بلکہ ان اصول وقواعد کی روشنی میں ہی وہ

مسائل کا استنباط کرتے ہیں؛ البتہ بذاتِ خود ان کی ذات میں اصول مقرر کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، تاکہ ان اصول وقواعد کی روشنی میں وہ غیر منصوص مسائل کا حکم جان سکیں، ان مجتہدین کے اندر مندرجہ ذیل صفات ہوتی ہیں (۱) اصولِ مذہب کا علم رکھتے ہیں (۲) تفصیلی دلائل سے انھیں واقفیت ہوتی ہے (۳) قیاس اور معانی کے ادراک پر انھیں پوری بصیرت حاصل ہوتی ہے (۴) اپنے امام کے مقرر کردہ اصول وقواعد کی روشنی میں وہ مسائل کے استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (مستفاد از: الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف: ۷۹ تا ۸۲، عقد الجید: ۲۱ تا ۲۵، النافع الکبیر: ۱۴، اصول الافتاء وآدابہ: ۱۱۹)

﴿تمرینی سوالات﴾

۱ ۔ مجتہد فی المذہب سے کیا مراد ہے؟

۲ ۔ مجتہد مستقل کی وضاحت کریں۔

۳ ۔ مجتہد مطلق منتسب کی تعریف کریں۔

۴ ۔ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک مجتہدین کے کتنے طبقات ہیں؟ بالترتیب اجمالاً جواب دیں۔

۵ ۔ مجتہد فی المذھب کے لیے کن صفات کا پایا جانا ضروری ہے؟

طبقاتِ فقہا: علامہ ابن صلاحؒ کے مطابق

علامہ ابن صلاحؒ کے نزدیک فقہا کے پانچ طبقات ہیں

پہلا طبقہ: مجتہد مستقل

اس کا اطلاق ان مجتہدین پر ہوتا ہے؛ جو کسی امام کی تقلید نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ مستقل طور پر براہ راست ادلۂ شرعیہ سے فقہی احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

دوسرا طبقہ: مجتہد مطلق منتسب

اس کا اطلاق ان مجتہدین پر ہوتا ہے؛ جو مسائل مستنبط کرنے میں، اپنے امام کے طرزِ استنباط کی پیروی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا اجتہاد اپنے امام کے اجتہاد کے موافق ہوجاتا ہے اور اس موافقت کی بنا پر امام کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے۔

تیسرا طبقہ: مجتہد مقید منتسب

اس کا اطلاق ان مجتہدین پر ہوتا ہے؛ جو اپنے امام کے مذہب کو مستقل طور پر دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور اپنے دلائل میں اپنے امام کے مقرر کردہ اصول وقواعد سے تجاوز نہیں کرتے ہیں، نیز جس طرح مجتہد مطلق؛ شارع کے نصوص سے احکام کا استنباط کرتے ہیں؛ اسی طرح یہ حضرات اپنے امام کے نصوص کو اصول بنا کر، ان سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں، ایسے مجتہدین مندرجہ ذیل صفات کے حامل ہوتے ہیں (۱) فقہ کے عالم ہوتے ہیں (۲) اصول فقہ سے باخبر ہوتے ہیں (۳) دلائل احکام سے تفصیلی طور سے واقف ہوتے ہیں (۴) قیاس اور معانی کے طریق سے واقف ہوتے ہیں؛ البتہ وہ بعض علوم میں ناقص ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا شمار نچلے طبقہ میں ہوتا ہے۔

چوتھا طبقہ: حافظ المذہب القادر

اس کا اطلاق ان فقہاءِ کرام پر ہوتا ہے؛ جو اگرچہ مذکورہ مجتہدین کے درجہ میں نہیں ہوتے ہیں؛ لیکن وہ فقیہ النفس، اپنے امام کے مذہب کے حافظ اور اپنے امام کے دلائل سے مکمل طور پر واقف ہوتے ہیں، یہ فقہا؛ پہلے دلائل قائم کرتے ہیں، پھر اپنے مذہب کے دلائل کو مؤید کرتے ہیں، اسی طرح مسائل کی چند صورتیں ہوں؛ تو اس کی وضاحت کرتے ہیں، نیز مختلف اقوال کا موازنہ کرتے ہیں اور ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔

پانچواں طبقہ: حافظ المذہب غیر قادر

اس کا اطلاق ان فقہاءِ کرام پر ہوتا ہے؛ جو واضح اور غیر واضح مسائل میں؛ حفظِ مذہب، نقلِ مذہب اور فہمِ مذہب کا کام انجام دیتے ہیں؛ لیکن انھیں دلائل قائم کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ (مستفاد از: ادب المفتی لابن الصلاح: ۸۵تا۱۰۰، آداب الفتوی للنووی: ۲۲تا۳۱، المصباح فی رسم المفتی: ۲۷۰و۲۷۱، عمدۃ الرعایہ: ۱/۳۸، اصول الافتاء وآدابہ: ۱۲۷تا۱۳۳)

﴿تمرینی سوالات﴾

۱ ۔ علامہ ابن الصلاحؒ کے نزدیک فقہا کے کتنے طبقات ہیں؟ بالترتیب اجمالاً جواب دیں۔

۲ ۔ مجتہد مستقل کی وضاحت کریں۔

۳ ۔ مجتہد مطلق منتسب کی تعریف کریں۔

۴ ۔ مجتہد مقید منتسب سے کیا مراد ہے؟

۵ ۔ مجتہد مقید منتسب کے لیے کن صفات کا پایا جانا ضروری ہے؟۔

۶ ۔ حافظ المذہب القادر فقہا کا کیا کام ہوتا ہے؟

۷ ۔ حافظ المذہب غیر قادر فقہا کی تعریف کریں۔

شرائطِ مجتہد

مجتہد وہ شخص ہیں؛ جنھیں پانچ علوم میں مہارت ہو(۱) کتاب اللہ کا علم ہو: یعنی ناسخ و منسوخ، مجمل و مفصل، خاص و عام، محکم و متشابہ، کراہت و تحریم، اباحت و ندب اور وجوب کا علم ہو(۲) سنتِ رسول اللہ کا علم ہو: یعنی فقہی احکام کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں؛ ان میں سے صحیح و ضعیف اور مسند و مرسل کا علم ہو(۳) لغت کا علم ہو: یعنی قرآن و سنت میں فقہی احکام کی وضاحت کے لیے جو اسلوب اختیار کیے گئے ہیں؛ ان سے واقفیت ہو، مثلاً: ''ف'' کس لئے آتا ہے؟ ''ثم'' کہاں مستعمل ہوتا ہے؟ وغیر ذلک۔ عرب کی تمام لغات سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے(۴) فقہی احکام کے سلسلہ میں؛ اکابر صحابہ، تابعین عظام، اور فقہاء کرام کے اقوال سے واقفیت ہو، تاکہ خرقِ اجماع لازم نہ آئے (۵) مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں قیاس کے احکام و مسائل کی شناخت ہو، تاکہ جب قرآن و حدیث میں کسی مسئلہ کی بابت واضح احکام نہ ملیں؛ تو ان دونوں کی روشنی میں وہ مسائل کا استنباط کرسکیں۔ (عقد الجید بتصرف: ص ۲۱)

مجتہد منتسب کا مصداق کون ہیں؟

اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول: مجتہد منتسب؛ مجتہد مطلق ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی اصول و فروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتے ہیں؛ لیکن اپنے آپ کو اپنے استاذ کی طرف تعظیماً منسوب کرتے ہیں، یہ علامہ لکھنویؒ کا قول ہے۔

دوسرا قول: مجتہد منتسب؛ درحقیقت مجتہد مطلق ہی ہوتے ہیں؛ لیکن اجتہاد میں وہ اپنے امام کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا اجتہاد ان کے امام کے موافق ہوجاتا ہے اور اس موافقت کی بنا پر انھیں مجتہد مستقل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ علامہ سیوطیؒ اور ابن صلاحؒ کی رائے ہے۔

تیسرا قول: مجتہد منتسب؛ ان اصول میں اپنے امام کے مقلد ہوتے ہیں؛ جو ان کے امام سے صراحتاً ثابت ہیں، گرچہ وہ ایسے بعض اصول میں اپنے امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں؛ جو فقہا نے ذکر کیے ہیں، یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علامہ عبد الوہاب شعرانیؒ کا نظریہ ہے۔(اصول الافتاء وآدابہ:ص۱۱۶تا۱۱۹)

﴿تمرینی سوالات﴾

۱ ۔ مجتہد کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہیں، ان میں سے صرف تین کا ذکر کریں۔

۲ ۔ مجتہد منتسب کے سلسلے میں، شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کا نظریہ بیان کریں۔

۳ ۔ مجتہد منتسب کے سلسلے میں، علامہ لکھنویؒ اور علامہ سیوطیؒ کی کیا رائے ہے؟

طبقاتِ مسائل: مشہور قول کے مطابق

مشہور قول کے مطابق مسائل احناف کے تین طبقات ہیں

پہلا طبقہ: ظاہر الروایہ رمسائل الاصول

اس کا اطلاق ان مسائل پر ہوتا ہے؛ جو امام محمدؒ کی کتبِ ستہ میں اصحابِ مذہب سے مروی ہیں۔

وجہ تسمیہ: چوں کہ یہ مسائل امام محمدؒ سے مشہور و معروف طریقے سے مروی ہیں اور امام محمدؒ سے ان مسائل کو نقل کرنیوالے ثقہ اور کثیر افراد ہیں؛ اس لیے ان مسائل پر ظاہر الروایہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

فائدہ: کتبِ ستہ سے مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، سیر صغیر اور سیر کبیر مراد ہوتے ہیں (المدخل لابی الحاج: ۵۴۸) اور اصحابِ مذہب سے احناف کے ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہ ؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) مراد ہوتے ہیں، شاذ و نادر امام زفرؒ و حسن بن زیادؒ بھی مراد ہوتے ہیں۔ (رسم المفتی: ۶۹)

دوسرا طبقہ: غیر ظاہر الروایہ رمسائل النوادر

اس کا اطلاق مندرجہ ذیل تین قسم کے مسائل پر ہوتا ہے (۱) وہ مسائل جو امام محمدؒ کی کتبِ ستہ کے علاوہ آپ کی دیگر کتاب مثلاً: کیسانیات، ہارونیات، جُرجانیات، رَقّیات وغیرہ میں مذکور ہوں (۲) وہ مسائل جو امام صاحب کے دیگر تلامذہ کی کتابوں میں مذکور ہوں، مثلاً: حسن بن زیادؒ کی ''المجرد'' اور امام ابو یوسفؒ کے امالی (۳) وہ مسائل جو اصحابِ مذہب سے معروف و

مشہور طریقے سے مروی نہ ہوں؛ بلکہ ان کے ناقلین تنہا ہوں، مثلاً: معلیٰ بن منصورؒ، ھشام بن عبد اللہؒ اور ابراہیم بن رستم المروزیؒ کے نوادرات۔

وجہ تسمیہ: چوں کہ یہ مسائل امام محمدؒ سے غیر مشہور و معروف طریقے سے مروی ہیں؛ اس لیے ان مسائل پر غیر ظاہر الروایہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

فائدہ: نوادر کے نام سے مندرجہ ذیل آٹھ کتابیں مشہور ہیں (۱) نوادر ھشام بن عبد اللہؒ (۲) نوادر محمد بن سماعہؒ (۳) نوادر ابراہیم بن رستم المروزیؒ (۴) نوادر داوود ابن رشیدؒ (۵) نوادر معلیٰ بن منصورؒ (٦) نوادر بشرؒ (۷) نوادر ابی نصر ابن شجاع البلخیؒ (۸) نوادر ابی سلیمانؒ (المدخل لابی الحاج:۵۵۲)

تیسرا طبقہ: فتاویٰ/واقعات

اس کا اطلاق ان مسائل پر ہوتا ہے؛ جن کا استنباط مجتہدین متاخرین نے کیا ہے، جب ان سے کسی مسئلہ کی بابت سوال کیا گیا اور انھوں نے اس کا حکم متقدمین (اصحابِ مذہب) سے نہیں پایا، اس سلسلہ کی سب سے پہلی کتاب، فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کی "کتاب النوازل" ہے۔ (مستفاد از: رسم المفتی: ٦۷ تا ۷۰، عمدۃ الرعایہ: ۱/۴۰، المدخل لعلی جمعہ: ۱۲۴ تا ۱۲۷)

تمرینی سوالات

۱ ۔ غیر ظاہر الروایہ کا اطلاق کن مسائل پر ہوتا ہے؟

۲ ۔ کتب ستہ سے کون سی کتابیں مراد لی جاتی ہیں؟

۳ ۔ فتاوی کا اطلاق کن مسائل پر ہوتا ہے؟

طبقاتِ مسائل: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مطابق

حضرت شاہ صاحب کے نزدیک مسائل احناف کے چار طبقات ہیں:

پہلا طبقہ: ظاہر مذہب

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جو اصحابِ مذہب سے مشہور و معروف طریقے سے مروی ہیں، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان کو فقہا ہر حال میں قبول کرتے ہیں۔

دوسرا طبقہ: روایاتِ شاذہ

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جو اصحابِ مذہب سے غیر مشہور و معروف طریقے سے مروی ہیں، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان کو فقہا اس وقت قبول کرتے ہیں؛ جب یہ مسائل ظاہر مذہب کے موافق ہوں۔

تیسرا طبقہ: متفق علیہ تخریجات متاخرین

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جن کا متاخرین فقہا نے استنباط کیا ہے اور جمہور فقہا کا ان پر اتفاق ہو، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان پر بہر صورت فتوی دینا ضروری ہے۔

چوتھا طبقہ: مختلف فیہ تخریجات متاخرین

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جن کا متاخرین فقہا نے استنباط کیا ہے اور جمہور فقہا کا ان میں اختلاف ہو، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ یہ مسائل اگر ظاہر مذہب، نظائر مذہب اور تصریحات سلف کے موافق ہوں؛ تو قبول کریں گے ورنہ انھیں رد کر دیں گے۔ (مستفاد از: عقد الجید: ص۵۲، المصباح فی رسم المفتی: ص۳۲۱، المدخل لعلی جمعہ: ۱۲۱)

تمرینی سوالات

۱ ۔ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک مسائل احناف کے کتنے طبقات ہیں؟ بالترتیب اجمالاً ذکر کریں۔

۲ ۔ روایات شاذہ کا اطلاق کن مسائل پر ہوتا ہے؟

۳ ۔ تیسرے طبقہ میں کن مسائل کا شمار ہوتا ہے؟

۴ ۔ ظاہر مذہب مسائل کا کیا حکم ہے؟

۵ ۔ مختلف فیہ تخریجات متأخرین سے کیا مراد ہے؟

☆

طبقات مسائل: علامہ لکھنویؒ کے مطابق

علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے نزدیک مسائل احناف کے پانچ طبقات ہیں:

پہلا طبقہ: ادلۂ اربعہ کے موافق مسائل

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جو مکمل طور پر ادلۂ شرعیہ کے موافق ہوں یعنی ان کے خلاف قوی یا ضعیف دلیل شرعی موجود نہ ہو، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

دوسرا طبقہ: قوی دلیل سے ماخوذ مسائل

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جو مکمل طور پر ادلۂ شرعیہ کے موافق نہ ہوں ؛ بلکہ ایسی دلیل سے ماخوذ ہوں؛ جن کے خلاف ضعیف دلیل شرعی موجود ہو، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔

تیسرا طبقہ: ضعیف دلیل سے ماخوذ مسائل

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جو مکمل طور پر ادلۂ شرعیہ کے موافق نہ ہوں

؛ بلکہ ضعیف دلیل سے ماخوذ ہوں اوران کے خلاف قوی دلیل شرعی موجود ہو، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ مجتہد مفتی قوت دلیل کے اعتبار سے ایک قول کو راجح قرار دیں گے اور غیر مجتہد مفتی؛ اپنے سے اعلم کی اتباع کریں گے۔

چوتھا طبقہ: ادلۂ شرعیہ کے مخالف قیاسی مسائل

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جو فقط قیاس پر مبنی ہوں اوران کے خلاف دلیل شرعی موجود ہو، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ قیاس چھوڑ کر دلیل شرعی پر عمل کریں گے۔

پانچواں طبقہ: غیر مدلل مسائل

اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؛ جن کی بنیاد دلیل شرعی نہ ہو بلکہ فقہاء متاخرین میں سے کسی نے بغیر دلیل کے مذہب میں شامل کر دیا ہو، ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان پر عمل نہیں کریں گے۔ (مستفاد از: النافع الکبیر: ص۲۲، المصباح فی رسم المفتی: ص۳۳۴، المدخل لعلی جمعہ: ۱۲۲)

تمرینی سوالات

۱ ۔ علامہ لکھنویؒ کے نزدیک مسائل احناف کے کتنے طبقات ہیں؟ بالترتیب اجمالاً جواب دیں۔

۲ ۔ تیسرے طبقہ میں کن مسائل کو شامل کیا جاتا ہے؟

۳ ۔ غیر مدلل مسائل سے کیا مراد ہے؟

۴ ۔ جو مسائل قوی دلیل سے ماخوذ ہوں؛ ان کا کیا حکم ہے؟

۵ ۔ پانچویں طبقہ میں کن مسائل کا شمار ہوتا ہے؟

دوسرا باب

اصولِ افتا کے بیان میں

اس باب میں سات بنیادی عناوین کے تحت تریسٹھ
(۶۳) اصولوں کا مدلل تذکرہ کرتے ہوئے مفہوم
اور عرف پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔

مرتب
مفتی رضوان نسیم قاسمی
استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر (۱) پھلواری شریف، پٹنہ

فتوی صرف راجح قول پر دیں گے

فتوی نویسی کے سلسلہ میں بنیادی اصول یہ ہے کہ ''فتوی صرف راجح قول پر دیں گے''، علامہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب ''الفتاوی الکبری'' میں زوائد الروضہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''مفتی کے لیے اور عمل کرنے والے کے لیے جائز نہیں ہے کہ غور وفکر کیے بغیر دو قولوں میں سے کسی بھی قول پر، یا دو وجہوں میں سے کسی بھی وجہ پر فتوی دے یا عمل کرے۔ (رسم المفتی: ۴۴)

علامہ قاسم بن قطلو بغاؒ، علامہ ابن الصلاح شافعیؒ اور علامہ باجی مالکیؒ سے منقول ہے کہ ''مرجوح قول پر فتوی دینا؛ اجماع کے خلاف ہے''۔ (رسم المفتی: ۴۴ تا ۴۷) علامہ شامیؒ کی کتاب شرح عقود رسم المفتی کے پورے مضامین؛ تقریباً اسی اصول کی تشریح وتوضیح پر مبنی ہیں۔

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جن مسائل میں مشائخ حنفیہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے؛ ان میں ترجیح کی بنیادیں کیا ہوں گی؟ اس سلسلہ میں مختلف اسباب ووجوہ کا تذکرہ کیا گیا ہے؛ جن کا خلاصہ اس طرح ہے:

(۱) کبھی ترجیح شخصیت کے اعتبار سے دی جاتی ہے، مثلاً جو فقیہ اونچے طبقہ میں شامل ہو؛ اس کا قول اس فقیہ کے مقابلے میں راجح ہوگا؛ جو اس سے نچلے طبقہ میں ہے۔

(۲) کبھی ترجیح نقل وروایت کے استناد کے اعتبار سے دی جاتی ہے، یعنی ایک مسئلہ میں دو اختلافی قول سامنے آنے کی صورت میں، اس قول کو راجح سمجھا جائے گا؛ جو مضبوط سند سے مروی ہے، مثلاً ظاہر الروایہ اور روایۃ النوادر میں تعارض کی صورت میں ظاہر الروایہ کا قول راجح ہوگا۔

(۳) بعض دفعہ کتابوں کے لحاظ سے بھی اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لیے کہ بعض

مصنفین مذہب کی معتبر روایات کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور بعض اہل علم ہر طرح کے اقوال؛ جمع کردیتے ہیں، مثلاً: متون اور شروح میں تعارض ہونے کی صورت میں متون کو ترجیح دی جائے گی؛ اس لیے کہ متون کا درجہ شروح سے بڑھا ہوا ہے۔

(۴) بعض دفعہ دلیل کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے، مثلاً: ایک رائے استحسان پر مبنی ہو اور دوسری قیاس پر؛ تو عموماً اس رائے کو ترجیح دی جاتی ہے؛ جو استحسان پر مبنی ہو۔

(۵) بسا اوقات ترجیح کی بنیاد؛ وہ الفاظ ترجیح ہوا کرتے ہیں؛ جس کو فقہا کسی قول کی صحت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لکھا کرتے ہیں، مثلاً: ایک فقیہ کسی قول کو صحیح قرار دیں اور دوسرا فقیہ اس کے مخالف قول کو اصح قرار دیں؛ تو جس نے اصح کا لفظ استعمال کیا ہے؛ ان کا قول راجح سمجھا جائے گا۔ (کتاب الفتاوی، مکتبہ نعیمیہ: ۱/۲۶۰ تا ۲۶۶ بتصرف)

شخصیت کی بنیاد پر ترجیح کے ۱۶/ اصول

پہلا اصول

اگر کسی مسئلہ میں احناف سے صرف ایک قول منقول ہو؛ تو اسی پر عمل کرنا اور فتوی دینا لازم ہے، خواہ وہ مسئلہ؛ ظاہر الروایہ، غیر ظاہر الروایہ یا فتاوی میں مذکور ہو، مگر جب یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس مسئلہ کی بنیاد ایسی علت پر ہے؛ جو اب نہیں پائی جا رہی ہے؛ تو اس پر عمل نہیں کریں گے۔ (اصول الافتاء و آدابہ: ۱۹۸، المدخل لابی الحاج: ۵۲۴)

دوسرا اصول

اگر کسی مسئلہ میں فقہاء احناف سے چند اقوال مروی ہوں؛ تو فقہاء احناف میں سے اصحاب الترجیح جس قول کو راجح قرار دیں؛ اس پر فتوی دیں گے۔ (رسم المفتی: ۴۳)

اِعلَم بِأنَّ الواجبَ اِتباعُ ما ۔۔۔ تَرجِيحُه عَن اَهلِهٖ قَد عُلِما

ترجمہ: جان لو! کہ اس قول کی پیروی کرنا لازم ہے؛ جس کا راجح ہونا اصحاب الترجیح

سے معلوم ہو چکا ہو۔

تیسرا اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا قول ہو؛ تو اسی پر فتویٰ دیں گے، خواہ مشائخ نے اس قول کی صحت کی صراحت کی ہو یا نہ کی ہو؛ بشرطیکہ اس کے خلاف دوسرے قول کو راجح نہ قرار دیا گیا ہو۔ (المذھب الحنفی: ۲۵۰/۱)

چوتھا اصول

عبادات میں مطلقاً امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیں گے؛ مگر جب امام صاحب سے دوسرا قول بھی مروی ہو اور آپ کے تلامذہ میں سے کسی نے اس قول کو لیا ہو؛ تو پھر وہی قول راجح ہوگا، مثلاً: نبیذ تمر کے مسئلہ میں امام صاحب سے تین اقوال مروی ہیں (۱) وضو کرے گا اور تیمّم کرنا بہتر ہے (۲) وضو اور تیمّم دونوں کرے گا (۳) صرف تیمّم کرے گا، نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے، لہذا! نبیذ تمر سے وضو کے عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔
(عمدۃ الرعایہ: ۶۸/۱، رسم المفتی مع حاشیہ: ۱۲۶، ۱۲۷)

فِی کُلِّ اَبوابِ العِبَاداتِ رُجِّحْ   قولُ الامامِ مُطلقًا ما لَم تَصِح
عَنهُ رِوایۃٌ بِھا الغَیرُ اَخَذ   مِثلُ تَیَمُّمٍ لِمَن تَمْرًا نَبَذْ

ترجمہ: عبادات کے تمام ابواب میں مطلقاً امام اعظمؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ جب تک امام صاحب سے کوئی ایسی روایت ثابت نہ ہو؛ جس کو ان کے علاوہ نے اختیار کیا ہو، جیسے تیمّم کا حکم؛ اس شخص کے لیے جس نے پانی میں چھوہارے ڈالے ہیں۔

پانچواں اصول

اگر ظاہر الروایہ میں کوئی ایسا مسئلہ مذکور ہو؛ جس میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہو اور امام صاحب کے ساتھ امام ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ ہوں؛ تو امام صاحب کا قول راجح ہوگا۔ (رسم المفتی: ۱۰۲، قاضی خان: ۹/۱)

چھٹا اصول

اگر ظاہر الروایہ میں کوئی ایسا مسئلہ مذکور ہو؛ جس میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہو اور ان میں سے ہر ایک کے مختلف اقوال ہوں؛ تو اس صورت میں بھی امام صاحب کا قول راجح ہوگا۔ (رسم المفتی:۱۰۲)

ساتواں اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان ایسا اختلاف ہو؛ جس کا مدار عصر و زمان پر ہو؛ تو صاحبین کا قول راجح ہوگا۔ (قاضی خان:۹/۱)

آٹھواں اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان ایسا اختلاف ہو؛ جس کا مدار عصر و زمان پر نہ ہو؛ تو کن کا قول راجح ہوگا؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں: (۱) عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: بہر صورت امام صاحب کے قول پر فتوی دیں گے (۲) مفتی کو مطلقاً اختیار ہے، وہ جس قول پر چاہیں فتوی دیں (۳) مفتی اگر مجتہد ہے؛ تو انھیں اختیار ہے کہ وہ دلیل میں غور و فکر کرکے جس قول پر چاہیں فتوی دیں اور غیر مجتہد مفتی امام صاحب کے قول پر فتوی دیں گے، یہی صحیح قول ہے، نیز اب بہر صورت امام صاحب کا قول راجح ہوگا۔ (رسم المفتی:۱۰۲، قاضی خان:۹/۱، الحاوی القدسی:۵۶۲/۲، المدخل لاحمد سعید:۴۴۳)

وَقِيلَ بِالتَخْيِيرِ فِى فَتواه اِن خَالَفَ الاِمَامَ صَاحِبَاهُ
وَقِيلَ مَن دَلِيلُه أقوىٰ رُجِّح وَذا لِمُفْتٍ ذِى اِجتِهادٍ الْاَصَحْ
فَالْاٰنَ لا تَرجِيحَ بِالدَّلِيل فَلَيسَ اِلَّا الْقَولُ بِالتَّفْصِيلْ
مالَم يَكُن خِلافُهُ الْمُصَحَّحا فَناخُذُ الَّذِى لَهُم قَد وَضَحا

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ مفتی کو فتوی دینے میں اختیار ہے، اگر صاحبین امام صاحب کے خلاف ہوں۔ اور کہا گیا ہے کہ جس امام کے قول کی دلیل مضبوط ہوگی؛ وہی قول راجح ہوگا۔ اور یہ

بات مجتہد مفتی کے حق میں زیادہ صحیح ہے۔ پس اب دلیل کی وجہ سے ترجیح کی بات نہیں رہی۔ تو اب تفصیل والا قول ہی باقی رہ گیا (یعنی اولاً: ابوحنیفہؒ ثم ابو یوسفؒ ثم محمدؒ)، جب تک امام صاحب کے قول کے علاوہ دوسرے قول کی تصحیح نہ کی گئی ہو، پس اگر ایسا ہو؛ تو ہم اس قول کو لیں گے جو ان فقہا کے لیے واضح ہوا ہے۔

نواں اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اتفاق ہو؛ تو اسی پر عمل کرنا اور فتویٰ دینا لازم ہے، چاہے مفتی مجتہد ہو یا غیر مجتہد۔ (رسم المفتی: ۹۹، عمدۃ الرعایہ: ۱/۶۵)

دسواں اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب سے کوئی قول مروی نہ ہو اور شاگردوں سے مختلف اقوال مروی ہوں؛ تو امام ابو یوسفؒ کا قول سب سے مقدم ہوگا، ان کے بعد امام محمدؒ، پھر امام زفرؒ اور سب سے آخر میں حسن بن زیادؒ کا درجہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ ترتیب غیر مجتہد مفتی کے لیے ہے اور مجتہد مفتی قوت دلیل کا اعتبار کریں گے۔ (رسم المفتی: ۹۹، الحاوی القدسی: ۲/۵۶۲)

وَحَيْثُ لَمْ يُوجَدْ لَهُ اِخْتِيَارْ　　　فَقَوْلُ يَعْقُوبَ هُوَ الْمُخْتَارْ
ثُمَّ مُحَمَّدٍ فَقَوْلُهُ الْحَسَنْ　　　ثُمَّ زُفَرَ وَابْنِ زِيَادِ الْحَسَنْ

ترجمہ: اور جہاں امام اعظمؒ نے کوئی قول اختیار نہ کیا ہو (یعنی کسی مسئلہ میں ان کا کوئی قول موجود نہ ہو) تو امام ابو یوسفؒ کا قول ہی مختار ہے، پھر امام محمدؒ ہی کا قول پسندیدہ ہے، پھر امام زفرؒ و حسن بن زیادؒ کے اقوال پسندیدہ ہیں۔

گیارھواں اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے کوئی قول منقول نہ ہو اور مشائخ متاخرین اتفاق کے ساتھ اس مسئلہ کا حکم بیان کریں؛ تو اس سے عدول جائز نہیں ہے۔ (رسم المفتی: ۱۲۰، الحاوی القدسی: ۲/۵۶۲)

بارھواں اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے کوئی قول منقول نہ ہو اور مشائخ متاخرین اختلاف کے ساتھ اس مسئلہ کا حکم بیان کریں؛ تو جس قول کے قائلین، اکابر فقہا مثلاً: امام طحاویؒ، ابو حفص الکبیرؒ، ابو اللیث سمرقندیؒ اور ابو جعفر بلخیؒ جیسے حضرات میں سے اکثر فقہا ہوں؛ اس پر عمل کریں گے۔ (الحاوی القدسی: ۵۶۲/۲، رسم المفتی: ۱۲۱)

ثُمَّ اِذَا لَمْ تُوجَدِ الرِّوَايَةْ عَنْ عُلَمَائِنَا ذَوِی الدِّرَايَةْ
وَاخْتَلَفَ الَّذِينَ قَد تَأَخَّرُوا يُرَجَّحُ الَّذِی عَلَيْهِ الاَكْثَرُ
مِثْلُ الطَّحَاوِی وَاَبِی حَفْصِ الْكَبِير وَاَبَوَی جَعْفَرَ وَاللَّيْثِ الشَّهِيرْ

ترجمہ: پھر جب ہمارے فہم وبصیرت رکھنے والے علما سے کوئی روایت نہ ہو اور بعد کے فقہا میں اختلاف ہو جائے؛ تو اس قول کو ترجیح دی جائے گی؛ جو اکثر فقہا مثلاً: امام طحاویؒ، امام ابو حفص الکبیرؒ، امام ابو جعفر ہندوانیؒ اور امام ابو اللیث سمرقندیؒ جیسے حضرات کی رائے ہو۔

تیرھواں اصول

قضا کے مسائل میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیں گے؛ اس لیے کہ انھیں زیادہ تجربہ ہے۔ (رسم المفتی: ۱۲۷)

وَكُلُّ فَرعٍ بِالقَضَا تَعَلَّقاً قَولُ ابِی يوسفَ فِيهِ يُنْتَقٰى

ترجمہ: اور ہر ایسا جزئیہ جس کا قضا سے تعلق ہے؛ اس میں امام ابو یوسفؒ کا قول؛ فتوی کے لیے چنا گیا ہے۔

چودھواں اصول

ذوی الارحام کی وراثت کے مسئلہ میں، امام محمدؒ کے قول پر فتوی دیں گے۔ (رسم المفتی: ۱۲۵)

وَفِی مَسَائِلِ ذَوِی الاَرحَامِ قَد اَفتَوا بِمَا يَقُولُه مُحَمدُ

ترجمہ: اور ذوی الارحام کے مسائل میں؛ علمانے امام محمدؒ کے قول پر فتوی دیا ہے۔

پندرھواں اصول

سترہ مسائل میں امام زفرؒ کے قول پر فتوی دیں گے۔ (رسم المفتی: ۱۰۶، ۱۰۷)

فَاِنَّنا نَراهُمُوا قد رَجَّحُوا مَقالَ بَعضِ صَحبِہٖ وَ صَحَّحُوا
مِن ذاکَ ما قَد رَجَّحُوا لِزُفَر مَقالَهٗ فی سَبعَةٍ وَّ عَشَرْ

ترجمہ: کیوں کہ ہم اصحاب الترجیح کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے امام صاحب کے بعض تلامذہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے، ان میں سے وہ سترہ مسائل ہیں؛ جن میں اصحاب الترجیح نے، امام زفرؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

سولھواں اصول

امام صاحب کے قول سے صرف تین صورتوں میں عدول جائز ہے(۱) امام صاحب کے قول کی دلیل کمزور اور دیگر فقہا کے قول کی دلیل مضبوط ہو(۲) ضرورت اور حاجت کی وجہ سے بھی عدول جائز ہے(۳) امام صاحب وصاحبین کے اختلاف کا مدار عصر و زمان پر ہو۔ (رسم المفتی: ۱۰۴)

نوٹ: اگر اصحاب الترجیح کسی قول کو راجح قرار دیں؛ تو پھر مذکورہ بالا اصولوں کو ترک کر دیں گے اور بہر صورت اسی پر فتوی دیں گے۔

تمرینی سوالات

۱ ۔ قضا اور ذوی الارحام کے مسائل میں، کن کے قول پر فتوی دیں گے؟ اشعار کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں۔

۲ ۔ اگر ائمہ ثلاثہ کسی مسئلہ میں متفق ہوں اور مفتی مجتہد ہو؛ تو ان کے لیے کیا اصول ہے؟

۳ ۔ اگر امام صاحب وصاحبین میں اختلاف ہو جائے؛ تو کن کے قول پر فتوی دیں گے۔

۴ ۔ اگر ائمہ ثلاثہ میں سے ہر ایک کے مختلف اقوال ہوں؛ تو مفتی کس اصول پر عمل کریں گے؟

۵ ۔ امام زفرؒ کے مفتی بہ اقوال کتنے ہیں؟

۶ ۔ امام صاحب کے قول سے کتنی صورتوں میں عدول جائز ہے؟

۷ ۔ اگر کسی مسئلہ کی بابت امام صاحب سے کوئی قول مروی نہ ہو اور آپ کے شاگردوں سے مختلف اقوال مروی ہوں؛ تو کن کا قول مقدم ہوگا؟ اشعار سے اس کی وضاحت کریں۔

۸ ۔ مشائخ متاخرین میں اگر اختلاف ہو جائے؛ تو مفتی کے لیے کیا اصول ہے؟ اشعار سے اس کی وضاحت کریں۔

دلیل حصر

کتب فقہ میں مذکور مسائل؛ دو حال سے خالی نہیں: اس سلسلہ میں احناف کا صرف ایک قول ہوگا، یا ایک سے زائد، اگر صرف ایک قول ہے؛ تو اسی پر فتوی دیں گے۔ اور اگر ایک سے زائد اقوال ہوں؛ تو دو حال سے خالی نہیں: اصحاب الترجیح ان میں سے ایک قول کو راجح قرار دیے ہوں گے، یا نہیں۔

اگر پہلی صورت ہے تو پھر ان کی ترجیح پر عمل کریں گے۔ اور اگر دوسری صورت ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: وہ مسئلہ ائمہ ثلاثہ سے مروی ہوگا، یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: اس کے حکم میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہوگا، یا اختلاف۔ اگر اتفاق ہے؛ تو اسی پر عمل کریں گے۔ اور اگر اختلاف ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: امام صاحب کے ساتھ صاحبین میں سے کوئی ہوں گے، یا نہیں۔

اگر پہلی صورت ہے؛ تو امام صاحب کے قول پر عمل کریں گے اور اگر دوسری صورت ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: ان میں سے ہر ایک کے مختلف اقوال ہوں گے۔ یا امام صاحب کا الگ اور صاحبین کا الگ قول ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہے؛ تو امام صاحب کے قول پر عمل کریں

گے۔اور اگر دوسری صورت ہے؛تو دو حال سے خالی نہیں:اس اختلاف کا مدار عصر و زمان پر ہوگا،یا نہیں۔اگر پہلی صورت ہے؛تو صاحبین کا قول راجح ہوگا۔اور اگر دوسری صورت ہے؛تو امام صاحب کے قول پر عمل کریں گے۔

اور اگر وہ مسئلہ ائمہ ثلاثہ سے مروی نہ ہو؛تو دو حال سے خالی نہیں:وہ مسئلہ امام صاحب کے تلامذہ سے منقول ہوگا،یا متاخرین فقہا سے۔اگر پہلی صورت ہے؛تو مجتہد مفتی قوت دلیل کا اعتبار کریں گے اور غیر مجتہد مفتی بالترتیب امام ابو یوسفؒ،امام محمدؒ،امام زفرؒ،امام حسن بن زیادؒ کے قول پر فتوی دیں گے۔اور اگر دوسری صورت ہے؛تو دو حال سے خالی نہیں:متاخرین فقہا کا اس میں اتفاق ہوگا،یا اختلاف۔اگر اتفاق ہے؛تو بہر صورت اسی پر عمل کریں گے۔اور اگر اختلاف ہے؛تو جس قول کے قائلین اکابر فقہا میں سے اکثر فقہا ہوں؛اس پر عمل کریں گے۔

نوٹ:عبادات میں امام اعظمؒ،قضا کے مسائل میں امام ابو یوسفؒ،وراثت کے مسائل میں امام محمدؒ اور سترہ مسائل میں امام زفرؒ کے قول پر فتوی دیں گے۔

............☆............

کتابوں کے لحاظ سے ترجیح کے ۴؍اصول

پہلا اصول

اگر ظاہر الروایہ میں کوئی مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر مذکور ہو؛تو اس سے عدول جائز نہیں ہے؛ بلکہ اسی قول پر فتوی دیں گے؛چاہے فقہا نے اس قول پر فتوی دینے کی،صراحت کی ہو یا نہ کی ہو۔(قاضی خان:۱؍۹،رسم المفتی:۴۴)

وَظَاهِرُ الْمَرْوِيِّ لَيْسَ عَنْهُ يُعْدَلْ   وَلَا إِلَىٰ خِلَافِهِ إِذْ يُنْقَلْ
أَوْ كَانَ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ وَلَمْ   يُرَجِّحُوا خِلَافَ ذَاكَ فَاعْلَمْ

ترجمہ: اور ظاہر روایت سے عدول نہیں کریں گے، اس کے مخالف قول کی طرف، جب وہ منقول ہو، یا وہ مسئلہ ظاہر الروایہ کا ہو اور فقہانے اس کے خلاف، دوسرے قول کو راجح نہ قرار دیا ہو (تو اس صورت میں بھی ظاہر الروایہ کا قول راجح ہوگا)، لہذا! تم اس کو جان لو۔

دوسرا اصول

اگر کسی مسئلہ کی بابت ظاہر الروایہ میں مختلف اقوال مروی ہوں؛ تو مجتہد مفتی قوت دلیل کا اعتبار کریں گے اور غیر مجتہد مفتی آخری تصنیف پر اعتماد کریں گے۔ کتب ظاہر الروایہ کی ترتیب یہ ہے: مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، زیادات۔ (المذھب الحنفی: ۲۶۱/۱، رسم المفتی: ۷۶)

وَاشتَهَرَ المَبسوطُ بِالاصلِ وَذا　　لِسَبقِهِ السِّتَّةِ تَصنيفاً كَذا
اَلجامِعُ الصَّغيرُ بَعدَهُ فَما　　فِيهِ عَلى الأصلِ لِذا تَقَدَّما
وَآخِرُ السِّتَّةِ تَصنيفاً وَرَدْ　　اَلسِّيَرُ الْكَبِيرُ فَهُوَ الْمُعْتَمَدْ

ترجمہ: اور مبسوط ''اصل'' کے نام سے مشہور ہے؛ اس لیے کہ تصنیف کے اعتبار سے وہ (ظاہر الروایہ کی) چھ کتابوں سے مقدم ہے۔ اسی طرح مبسوط کے بعد جامع صغیر (بقیہ کتابوں سے مقدم) ہے۔ لہذا! جو مسائل جامع صغیر میں ہیں؛ وہ مبسوط پر مقدم ہوں گے۔ اور یہ بات منقول ہے، کہ ان چھ کتابوں میں آخری تصنیف؛ سیر کبیر ہے، پس وہی معتمد علیہ ہے۔

تیسرا اصول

ظاہر الروایہ کے مسائل؛ متون کے مسائل پر، متون کے مسائل؛ شروح کے مسائل پر اور شروح کے مسائل؛ فتاوی کے مسائل پر مقدم ہوں گے۔ (رسم المفتی: ۱۲۶، ۱۳۲، المذھب الحنفی: ۲۶۲/۱)

وَ كُلُّ قَولٍ فِي الْمُتُونِ اُثْبِتا　　فَذاكَ تَرْجِيْح لَه ضِمْناً اَتَى

فَرُجِّحَت عَلی الشُّرُوحْ وَالشُّرُوحْ عَلی الْفتاوی الْقِدَمِ مِنْ ذاتِ رُجُوحْ

ما لَم یَکُن سِواہُ لَفظاً صُحِّحا فالأرجَحُ الَّذی بِہٖ قَد صُرِّحا

ترجمہ:اور ہر وہ قول جو متون میں مذکور ہو؛تو یہ اس قول کے لیے ضمناً ترجیح ہے، جو اسے حاصل ہوگئی ہے۔پس ترجیح دی جائے گی متون کو شروح پر اور شروح کو ترجیح رکھنے والے قدیم فتاوی پر،جب تک متون کے علاوہ قول کی صراحتاً تصحیح نہ کی گئی ہو،ورنہ وہ قول راجح ہوگا؛جس کی صراحتاً تصحیح کی گئی ہے۔

چوتھا اصول

کتب فقہ کے مسائل؛ ان مسائل پر مقدم ہوں گے ؛جو اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں؛اس لیے کہ فقہی کتابوں میں فقہی مسائل کا ذکر؛مستقل طور پر کیا جاتا ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں فقہی مسائل کا ذکر؛تبعاً اور ضمناً آتا ہے۔(عمدۃ الرعایہ:۱/۵۳،المذھب الحنفی:۱/۲۶۴)

نوٹ:اگر اصحاب الترجیح کسی قول کو راجح قرار دیں؛تو پھر مذکورہ بالا اصولوں کو ترک کردیں گے اور بہر صورت اسی پر فتوی دیں گے۔

﴿تمرینی سوالات﴾

۱ ۔ کتب ظاہر الروایہ کی ترتیب کیا ہے؟اشعار سے اس کی وضاحت کریں۔

۲ ۔ اصل کے نام سے امام محمدؒ کی کون سی کتاب مشہور ہے؟اشعار سے اس کی وضاحت کریں۔

۳ ۔ اصول فقہ کی کتابوں پر،فقہی کتابوں کے مسائل کی وجہ ترجیح بیان کریں۔

۴ ۔ اگر کسی مسئلہ کی بابت ظاہر الروایہ میں مختلف اقوال مروی ہوں؛تو مفتی کے لیے کیا اصول ہے؟

۵ ۔ اگر ظاہر الروایہ میں کوئی مسئلہ،کسی اختلاف کے بغیر مذکور ہو؛تو مفتی کے لیے کیا اصول ہے؟اشعار سے اس کی وضاحت کریں۔

دلیل حصر

کتب فقہ میں مذکور مسائل؛ دو حال سے خالی نہیں: وہ مسئلہ ظاہر الروایہ میں ہوگا، یا نہیں۔ اگر وہ مسئلہ ظاہر الروایہ میں ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: اس میں سب کا اتفاق ہوگا، یا اختلاف۔ اگر سب کا اتفاق ہے؛ تو اس سے عدول جائز نہیں ہے۔ اور اگر اختلاف ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: مفتی مجتہد ہوں گے، یا غیر مجتہد، اگر مفتی مجتہد ہیں؛ تو وہ قوت دلیل کا اعتبار کریں گے اور غیر مجتہد مفتی آخری تصنیف پر اعتماد کریں گے۔

اور اگر وہ مسئلہ ظاہر الروایہ میں نہیں ہے؛ تو تین حال سے خالی نہیں: وہ مسئلہ متون ،شروح یا فتاوی میں سے کسی ایک میں ہوگا، اگر متون میں وہ مسئلہ ہے؛ تو شروح وفتاوی کے مسائل پر اور اگر شروح میں وہ مسئلہ ہے؛ تو وہ فتاوی کے مسائل پر مقدم ہوگا۔

............☆............

دلیل کی بنیاد پر ترجیح کے ۶/اصول

پہلا اصول

اگر کسی مسئلہ کے بارے میں ایک ہی امام سے مختلف اقوال مروی ہوں؛ تو دو حال سے خالی نہیں: ان اقوال کی تاریخ کا علم ہوگا، یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہے؛ تو بعد والا قول مقدم ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: ان میں سے کسی قول میں امام سے وجہ ترجیح منقول ہوگی (مثلاً: امام کا ایک قول کے ساتھ الاشبہ، الارفق جیسے الفاظ کا ذکر کرنا اور دوسرے قول کے ساتھ ان جیسے الفاظ کا ذکر نہ کرنا)، یا نہیں۔

اگر ایک قول کے ساتھ وجہ ترجیح مذکور ہے؛ تو اسی قول پر فتوی دیں گے، اور اگر کسی بھی

قول کے ساتھ وجہِ ترجیح مذکور نہیں ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: مفتی (یا عمل کرنے والا) اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہوگا، یا نہیں۔ اگر اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: ان میں سے کسی قول کے ساتھ وجہِ ترجیح ہوگی (مثلاً: ایک قول کا متون میں اور دوسرے قول کا شروح میں ہونا)، یا نہیں۔ اگر کسی قول کے ساتھ وجہِ ترجیح مل جائے؛ تو جس میں وجہِ ترجیح ہوگی؛ اسی پر فتوی دیں گے، اور اگر وجہِ ترجیح نہ ملے؛ تو دل جس قول کی موافقت کرتا ہو؛ اس پر فتوی دیں گے۔

اور اگر مفتی (یا عامل) اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے؛ تو دو حال سے خالی نہیں: وہ مفتی (یا عمل کرنے والا) فقیہ ہوگا، یا عام آدمی۔ اگر فقیہ ہے؛ تو متأخرین فقہا کے قول کی پیروی کرتے ہوئے، جس قول میں زیادہ احتیاط ہو؛ اس پر عمل کرے، اور اگر عام آدمی ہے؛ تو کسی پرہیزگار مفتی سے پوچھ کر عمل کرے۔ (رسم المفتی مع حاشیہ: ٨٥، ٨٦)

دوسرا اصول

اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان ایسا اختلاف ہو؛ جس کا مدار عصر و زمان پر نہ ہو اور مفتی مجتہد ہے؛ تو انھیں اختیار ہے کہ وہ دلیل میں غور و فکر کر کے جس قول پر چاہیں فتوی دیں اور غیر مجتہد مفتی امام صاحب کے قول پر فتوی دیں گے، یہی صحیح قول ہے، نیز اب بہر صورت امام صاحب کا قول راجح ہوگا۔ (رسم المفتی: ١٠٢، قاضی خان: ٩/١، الحاوی القدسی: ٥٦٢/٢، المدخل لاحمد سعید: ٤٤٣)

تیسرا اصول

اگر کسی مسئلہ کے بارے میں دو ایسے متعارض اقوال مروی ہوں؛ جن میں سے ایک کی بنیاد قیاس پر اور دوسرے کی بنیاد استحسان پر ہو؛ تو استحسان والا قول راجح ہوگا، سوائے چند مسائل کے۔ (رسم المفتی: ١٢٨، ١٢٩، المدخل لاحمد سعید: ٤٤٧)

وَرَجَّحُوا اِسْتِحْسانَهُمْ عَلَى الْقِياسْ اِلّا مَسائِلَ وَ ما فِيها الْتِباسْ

ترجمہ: اور اصحاب الترجیح نے فقہا کے استحسانی مسائل کو قیاسی مسائل پر ترجیح دی

ہے،مگر چند مسائل مستثنیٰ ہیں اوران میں کوئی اشتباہ نہیں ہے(کیوں کہ وہ متعین ہیں)۔

چوتھا اصول

اگر کسی مسئلہ کی بابت کوئی قول بظاہر صحیح حدیث کے خلاف وارد ہو؛تو اس قول کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کریں گے،مگراس پر عمل کرنیکی دوشرطیں ہیں :(۱)اس کی اجازت اس شخص کو ہے،جن کو نصوص کے اندر گہرائی وگیرائی حاصل ہو یعنی وہ ناسخ ومنسوخ،محکم ومتشابہ وغیرہ کی حقیقت سے واقف ہو۔(۲)اس حدیث کے مطابق فقہاء احناف میں سے کسی کا قول ہو۔(رسم المفتی:۹۴)

پانچواں اصول

اگر کسی قول کے ساتھ صحت کی صراحت ہو؛تو صریح صحت والا قول؛ التزامی صحت والے قول کے مقابلہ میں راجح ہوگا۔

صریح صحت کی مثال: فقہا کا کسی قول کے ساتھ الفاظِ ترجیح میں سے کوئی لفظ ذکر کرنا۔
التزامی صحت کی مثال: جس قول کی صحت پر مصنف کا اسلوب دلالت کرے ۔(اصول الافتاء و آدابہ:۲۱۹،رسم المفتی:۱۳۵تا۱۳۷)

چھٹا اصول

اگر کوئی مصنف راجح قول کی تعیین کے لیے کوئی اسلوب اختیار کرے؛تو اس اسلوب کے مطابق اس قول کو راجح سمجھنا اوراس پر عمل کرنا ضروری ہے،بشرطیکہ اس قول کے خلاف دوسرے قول کو راجح نہ قرار دیا گیا ہو۔(المذھب الحنفی بتصرف:۱/۲۶۶)اور مصنف راجح قول کی تعیین کے لیے مختلف اسلوب اختیار کرتے ہیں:(۱)راجح قول کو مقدم کرنا(۲)راجح قول کی دلیل کو مؤخر کرنا(۳)صرف راجح قول کی دلیل ذکر کرنا(۴)غیرراجح قول کی تردید کرنا۔(اصول الافتاء وآدابہ:۲۱۹تا۲۲۱،رسم المفتی:۱۳۵تا۱۳۷)

وَفِی سِواهُما أُعتُمِدَ ما أَخَّرُوا   دَلِیلَهُ لِأَنَّهُ الْمُحَرَّرْ

كَما هُوَ الْعادَةُ فِی الْهِدایَةْ   وَنَحْوِها لِراجِحِ الدِّرایَةْ

وَكَذا اِذا ما واحِدًا قَد عَلَّلُوا   لَهُ وَتَعلِیلَ سِواهُ اَهمَلُوا

ترجمہ: فتاوی قاضی خان اور ملتقی الابحر میں، پہلے بیان کیے ہوئے اقوال؛ فضیلت رکھنے والے ہیں۔اوران کتابوں کے علاوہ میں اس قول پر اعتماد کیا گیا ہے؛ جس کی دلیل کو اسکے مصنف نے مؤخر کیا ہے؛ اس لیے کہ وہ قول تنقیح شدہ ہے۔جیسا کہ ہدایہ اور اس جیسی دوسری کتابوں میں؛ دلیل کے اعتبار سے راجح قول کی وضاحت کے لیے یہی طریقہ (اختیار کیا گیا) ہے ،اسی طرح جب مصنفین کسی ایک قول کی دلیل بیان کریں اور اس کے علاوہ قول کی دلیل کو چھوڑ دیں (تو یہ تمام صورتیں اس قول کے لیے التزامی صحت ہے)۔

﴿تمرینی سوالات﴾

۱ ۔ اگر کوئی قول بظاہر صحیح حدیث کے خلاف وارد ہو؛ تو حدیث پر عمل کرنے کے لیے کیا شرائط ہیں؟

۲ ۔ قاضی خانؒ اور صاحب ہدایہؒ نے، راجح قول کی وضاحت کے لیے کیا اسلوب اختیار کیا ہے؟

۳ ۔ امام صاحب وصاحبین میں اختلاف ہو جائے؛ تو مفتی کے لیے کیا اصول ہے؟

۴ ۔ راجح قول کی تعیین کے لیے مصنفین جو اسلوب اختیار کرتے ہیں؛ ان میں سے تین اسلوب کی وضاحت کریں۔

۵ ۔ قیاسی اور استحسانی مسائل میں، اگر تعارض ہو جائے؛ تو مفتی کس پر فتوی دیں گے؟

۲۵/الفاظِ ترجیح (علاماتِ افتا) اور ان کے معانی

فقہاء کرام اور مفتیان عظام، راجح قول کی وضاحت کے لیے، مندرجہ ذیل الفاظِ ترجیح کا استعمال کرتے ہیں

۱ . عَلَيْهِ عَمَلُ الْأُمَّةِ (اسی قول پر امت کا عمل ہے)

۲ . عَلَيه اَصحابُنا (اسی قول پر ہمارے اصحاب ہیں)

۳ . عَلَيهِ عَمَلُ اليوم (یہی قول آج کل معمول بہ ہے)

۴ . عَلَيهِ فتوىٰ مَشايِخنا (اسی قول پر ہمارے مشائخ کا فتوی ہے)

۵ . هُوَ الْمُخْتارُ فِي زَمانِنا (یہی ہمارے زمانہ میں پسندیدہ قول ہے)

۶ . بہٖ اَخَذَ عُلَمائُنا (اسی قول کو ہمارے علما نے لیا ہے)

۷ . بہٖ جَرىٰ العُرْفُ (اسی قول پر عرف جاری ہے)

۸ . هُوَ الْمُتَعارَفُ (یہی قول متعارف ہے)

۹ . بہٖ نأخُذُ (ہم اسی قول کو لیتے ہیں)

۱۰ . بہٖ يُفتىٰ (یہی قول مفتی بہ ہے)

۱۱ . عَلَيهِ الْفَتْوىٰ (اسی قول پر فتوی ہے)

۱۲ .اَلْفَتْوىٰ عَلَيْهِ (فتوی اسی قول پر ہے)

۱۳ . هُوَ الصَّحِيْحُ (یہی قول صحیح ہے)

۱۴ . هُوَ الْأَصَحُّ (یہی قول زیادہ صحیح ہے)

۱۵ . بہٖ يُعْتَمَدُ (اسی قول پر اعتماد کیا جائے گا)

۱۶ . عَليه الاِعتِمادُ (یہی قول قابل اعتماد ہے)

۱۷ . هُو الظَّاهِرُ (یہی قول واضح ہے)

۱۸ . هُو الأظهَرُ (یہی قول زیادہ واضح ہے)

۱۹ . هُو الأرفَقُ (یہی قول زیادہ آسان ہے)

۲۰ . هُو الأقوىٰ (یہی قول زیادہ قوی ہے)

۲۱ . هُو الأصْلَحُ (یہی قول زیادہ مناسب ہے)

۲۲ . هُو الأحْوَطُ (اسی قول میں زیادہ احتیاط ہے)

۲۳ . هُو الأوْجَهُ (یہی قول زیادہ مدلل ہے)

۲۴ . هُو الأشْبَهُ (یہی قول صحیح قول سے زیادہ مشابہ ہے)

۲۵ . هُوَ الْألْيَقُ لِزَمانِهِ (یہی قول اپنے زمانہ کے زیادہ مناسب ہے)

(مستفاداز: رسم المفتی: ۱۳۸، المصباح فی رسم المفتی: ۳۸۲، المذھب الحنفی: ۱/۳۶۸)

الفاظِ ترجیح کے اعتبار سے ترجیح کے ۱۰/ اصول

پہلا اصول

دو متعارض روایتوں میں سے ہر ایک کی تصحیح ایک ہی جیسے الفاظ سے کی جائے اور تصحیح کرنے والے فقہا کی علمی حیثیت بھی یکساں ہو؛ تو مفتی کو اختیار ہے، وہ جس قول پر چاہیں فتوی دے سکتے ہیں۔ (رسم المفتی: ۱۴۲)

دوسرا اصول

دو متعارض روایتوں میں سے ہر ایک کی تصحیح ایک ہی جیسے الفاظ سے کی جائے اور تصحیح کرنے والے فقہا کی علمی حیثیت یکساں نہ ہو؛ تو مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعلم کی پیروی کریں، مثلاً قاضی خانؒ کا درجہ؛ صاحب بزازیہؒ سے بڑھا ہوا ہے، لہذا! مفتیانِ کرام؛ صاحب بزازیہؒ کے مقابلہ میں قاضی خانؒ کی تصحیح کا اعتبار کریں گے۔ (رسم المفتی: ۱۴۳)

تیسرا اصول

اگر متعارض روایتوں کی تصحیح مختلف الفاظِ تصحیح کے ذریعہ کی جائے؛ تو لفظِ فتوی والا قول راجح ہوگا۔ (رسم المفتی:۱۴۲)

چوتھا اصول

اگر متعارض روایتوں میں سے ہر ایک کی تصحیح کے لیے ''فتوی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہو؛ تو جس قول میں حصر کے ساتھ لفظِ فتوی ہوگا؛ وہی قول راجح ہوگا۔ مثلا ایک قول میں ''الفتوی علیہ'' ہے اور دوسرے قول میں ''بہ یفتی'' یا ''علیہ الفتوی'' ہو؛ تو مؤخر الذکر راجح ہوگا۔ (رسم المفتی:۱۴۲)

پانچواں اصول

متعارض اقوال میں سے کسی بھی قول کے لیے لفظ فتوی کا استعمال نہ کیا گیا ہو اور دو الگ الگ کتابوں میں ایک قول کو اصح اور دوسرے قول کو صحیح قرار دیا گیا ہو؛ تو مشہور قول کے مطابق اصح والا قول راجح ہوگا۔ (رسم المفتی:۱۴۲)

چھٹا اصول

متعارض اقوال میں سے کسی بھی قول کے لیے لفظ فتوی کا استعمال نہ کیا گیا ہو اور ایک ہی کتاب میں ایک قول کو اصح اور دوسرے کو صحیح قرار دیا گیا ہو، نیز دونوں کے قائل ایک ہی امام ہوں؛ تو بالاتفاق اصح والے قول کو ترجیح ہوگی؛ اس لیے کہ یہاں صحیح کا مقابلہ اصح سے ہے (الا یہ کہ مسئلہ میں تیسرا کوئی قول فاسد ہو)۔ (رسم المفتی:۱۴۳)

ساتواں اصول

اگر مصنف کسی مسئلہ کی بابت دو اماموں کی تصحیح نقل کرنے کے بعد کہے کہ ''فلاں کی تصحیح فلاں سے اصح ہے''؛ تو بالاتفاق اصح والا قول راجح ہوگا۔ (رسم المفتی:۱۴۳)

آٹھواں اصول

متعارض اقوال میں سے ایک قول کے ساتھ اصح، اولی، ارفق؛ جیسے الفاظ ہوں اور دوسرے قول کے ساتھ تصحیح کا ایک لفظ بھی نہ ہو؛ تو مفتی کو اختیار ہے، البتہ پہلے قول پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (رسم المفتی: ۱۴۳)

نواں اصول

الفاظِ تصحیح میں سے جو الفاظ اسم تفضیل کے وزن پر ہیں؛ مثلاً "الاحوط"، "الاشبہ"، "الاوجہ" وغیرہ؛ یہ تمام الفاظ؛ ان الفاظ کے مقابلہ میں راجح ہوں گے؛ جو اسم تفضیل کے وزن پر نہیں ہیں۔ (اصول الافتاء وآدابہ: ۲۲۴)

دسواں اصول

جس قول کے ساتھ الفاظِ تصحیح میں سے "علیہ عمل الامۃ" کا لفظ ہو؛ تو وہ ان اقوال سے راجح ہوگا؛ جن میں دیگر الفاظِ تصحیح ہوں؛ اس لیے کہ یہ لفظ اجماع پر دلالت کرتا ہے۔ (رسم المفتی: ۱۴۲)

صُحِّحَ وَاحِدٌ فَذاکَ الْمُعْتَمَدْ   وَحَيْثُمَا وَجَدْتَّ قَوْلَيْنِ وَقَدْ
وَالْأَظْهَرُ، اَلْمُخْتَارُ ذا، وَالْأَوْجَهْ   بِنَحْوِ ذاالْفَتْوىٰ عَلَيْهِ الْأَشْبَهْ
مِنْهُ، وَقِيلَ: عَكْسُهُ الْمُؤَكَّدُ   أَوِ الصَّحِيحُ، وَالْأَصَحُّ آكَدُ
وَذانِ مِنْ جَمِيعِ تِلْکَ أَقْوىٰ   كَذا بِهٖ يُفْتىٰ، عَلَيْهِ الْفَتْوىٰ

ترجمہ: اور جہاں بھی آپ ایسے دو قول پائیں؛ جن میں سے ایک کی تصحیح کی گئی ہو؛ تو وہی معتمد ہے۔ (تصحیح کی گئی ہو) الفتوی علیہ، ہذا الاشبہ، ہذا الاظہر، ہذا المختار اور ہذا الاوجہ جیسے الفاظ سے، یا صحیح اور اصح سے اور وہ (اصح) صحیح سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کا برعکس (صحیح) مؤکد ہے۔ اسی طرح (تصحیح کی گئی ہو) بہ یفتی اور علیہ الفتوی (سے) اور یہ دو لفظ؛ ان سب الفاظ سے قوی تر ہیں۔

تمرینی سوالات

۱ ۔ قاضی خانؒ اور صاحب بزازیہؒ میں کن کا مقام زیادہ بلند ہے؟

۲ ۔ متعارض اقوال میں سے ایک قول کے ساتھ ''علیہ عمل الامۃ'' اور دوسرے قول کے ساتھ ''بہ یفتی'' یا ''ہوالاصح'' ہو؛ تو کس قول کو ترجیح دی جائے گی؟

۳ ۔ متعارض اقوال میں سے ہر ایک کی تصحیح کے لیے ''ہوالاصح'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہو؛ تو اس سلسلہ میں کیا تفصیل ہے؟

۴ ۔ اگر متعارض اقوال میں سے ہر ایک کی تصحیح کے لیے یکساں الفاظ تصحیح استعمال کیے جائیں؛ تو اس سلسلہ میں کیا تفصیل ہے؟

۵ ۔ اسم تفضیل کے وزن پر جو الفاظِ تصحیح ہیں؛ ان میں سے پانچ الفاظ کی صراحت کریں۔

۶ ۔ جن اشعار میں علامہ شامیؒ نے الفاظ تصحیح کا ذکر کیا ہے؛ انھیں بیان کریں۔

............☆............

مشائخ کی ترجیحات میں تطبیق کے ۱۴؍ اصول

فقہ حنفی میں بیشتر اختلافی مسائل ایسے ہیں؛ جن کی تصحیح وترجیح کی بابت اصحاب الترجیح میں اختلاف ہوا ہے اور اس اختلاف کے نتیجہ میں ایک ہی مسئلہ کے حکم میں چند متعارض تصحیح شدہ اقوال ملتے ہیں۔ لہٰذا! مفتی کو چاہیے کہ مذکورہ بالا اور مندرجہ ذیل اصول میں سے وجہ ترجیح تلاش کریں اور جس قول میں وجہ ترجیح مل جائے؛ اسی قول پر فتوی دیں۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ درج ذیل اصولوں میں سے اکثر کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے۔

پہلا اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح کے لیے ''ہوالصحیح'' اور دوسرے قول

کی تصحیح کے لیے ''ھوالاصح'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہو؛ تو مشہور قول کے مطابق اصح والے قول کو ترجیح دی جائے گی۔(رسم المفتی:۱۴۵)

دوسرا اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح کے لیے ''فتوی'' اور دوسرے قول کی تصحیح کے لیے دیگر الفاظ تصحیح کا استعمال کیا گیا ہو؛ تو فتوی والے قول کو ترجیح دی جائے گی۔(ایضا)

تیسرا اصول

امام صاحب و صاحبین کے اقوال کی ترجیح میں اختلاف کی صورت میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔(ایضا)

چوتھا اصول

اگر متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ہر ایک قول کی تصحیح کے لیے یکساں الفاظ تصحیح کا استعمال کیا گیا ہو؛ تو جو قول ظاہر الروایہ میں ہوگا؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔(ایضا)

پانچواں اصول

اگر متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ہر ایک کی تصحیح کے لیے یکساں الفاظ تصحیح کا استعمال کیا گیا ہو؛ تو جو قول متون میں ہوگا؛ اسے شروح کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گی۔(ایضا)

چھٹا اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے جس قول کی صحت پر اکابر فقہا متفق ہوں؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔(ایضا)

ساتواں اصول

اگر متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک کی بنیاد قیاس پر اور ایک کی بنیاد استحسان پر ہو؛ تو استحسان والے قول کو ترجیح دی جائے گی (سوائے چند مسائل کے)۔(ایضا)

آٹھواں اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے جو قول وقف کے لیے زیادہ نفع بخش ہو؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔ (ایضاً:۱۴۶)

نواں اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے جس قول میں لوگوں کے لیے آسانی ہوگی؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔ (ایضاً:۱۴۶)

دسواں اصول

اگر متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ہر ایک قول کی تصحیح کے لیے یکساں الفاظ تصحیح کا استعمال کیا گیا ہو؛ تو جو قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہو؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔ (ایضاً)

گیارھواں اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے (باب الزکوٰۃ میں) جو قول فقرا کے لیے زیادہ نفع بخش ہو؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔ (اصول الافتاء وآدابہ:۲۲۶)

بارھواں اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے جو قول حد شرعی کو ساقط کرنے والا ہو؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔ (ایضاً)

تیرھواں اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے اگر ایک قول میں حلت کا مسئلہ ہو اور دوسرے قول میں حرمت کا مسئلہ ہو؛ تو حرمت والے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ (ایضاً)

چودھواں اصول

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے جس قول میں مصلحت ہو؛ اسے ترجیح دی جائے گی۔ (رسم المفتی:۱۶۹)

وَاِنْ تَجِدْ تَصْحِيْحَ قَوْلَيْنِ وَرَدْ فَاخْتَرْ لِمَا شِئْتَ فَكُلٌّ مُعْتَمَدْ
اِلَّا اِذَا كَانَا صَحِيحاً وَ اَصَحْ اَو قِيلَ: ذا يُفْتٰى بِهٖ فَقَدْ رَجَحْ
اَوْ كَانَ فِى الْمُتُونِ اَوْ قَوْلَ الْاِمَامْ أو ظَاهِرَ الْمَرْوِى اَوْ جُلُّ الْعِظَامْ
قَالَ بِهٖ ، اَوْ كَانَ الْاِسْتِحْسَانَا اَوْ زَادَ لِلْأَوقَافِ نَفْعاً بَانَا
أو كَانَ ذا أَوْفَقَ لِلزَّمَانْ أو كَانَ ذا اَوْضَحَ فِى الْبُرْهَانْ
هٰذَا اِذَا تَعَارَض التَّصْحِيْحْ أو لَمْ يَكُنْ اَصْلاً بِهٖ تَصْرِيْحْ
فَتَأْخُذُ الَّذِى لَهُ مُرَجِّحْ مِمَّا عَلِمْتَهُ فَهٰذَا الْاَوْضَحْ

ترجمہ:اور اگر آپ ایسے دو قولوں کی تصحیح پائیں؛ جن میں سے ہر ایک روایت کیا گیا ہے؛ تو آپ جس کا چاہیں انتخاب کریں؛ اس لیے کہ ہر ایک قول قابل اعتماد ہے؛ مگر جب دونوں صحیح و اصح ہوں (یعنی ایک قول میں صحیح کا لفظ ہو اور دوسرے قول میں اصح کا لفظ ہو)، یا (کسی ایک کے بارے میں) کہا گیا ہو کہ اس قول پر فتوی ہے؛ تو وہ بالیقین راجح ہوگا، یا ان میں سے ایک قول متون میں ہو، یا وہ امام اعظمؒ کا قول ہو، یا وہ ظاہر الروایہ میں ہو، یا بڑے بڑے فقہا اس قول کے قائل ہوں، یا وہ قول استحسان پر مبنی ہو، یا وہ قول اوقاف کے لیے واضح طور پر فائدہ بڑھاتا ہو، یا وہ قول زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ ہو، یا وہ قول دلیل میں واضح تر ہو (تو ان تمام صورتوں میں جس قول میں مذکورہ بالا وجوہ ترجیح میں سے کوئی وجہ ترجیح مل جائے ؛اس پر فتوی دیں گے)۔ یہ (ترجیح والی بات)اس صورت میں ہے؛ جب کہ (دو قولوں کی) تصحیح میں تعارض ہو جائے، یا تصحیح کی بالکل صراحت نہ ہو۔ پس اس قول پر عمل کرو؛ جس کے لیے کوئی مرجح ہو؛ ان مرجحات میں سے؛ جن کو آپ جان لیے، پس یہ نہایت واضح بات ہے۔

فائدہ

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: کہ یہ تمام وجوہ ترجیح فقہا نے ذکر کی ہے اور وہ ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کے لیے ان کا استعمال کرتے ہیں؛ لیکن یہ سب ایسے

قواعد کلیہ نہیں ہیں ؛ کہ ان پر تمام حالات میں عمل کیا جاسکے ؛ بلکہ بسا اوقات ان مرجحات کے درمیان بھی تعارض ہوتا ہے بایں طور کہ ایک مرجح ایک قول کی ترجیح چاہتا ہے اور دوسرا مرجح دوسرے قول کی ترجیح چاہتا ہے۔ لہذا! اس صورت میں ایسا قاعدہ کلیہ بیان کرنا ممکن نہیں ؛ جس پر ہر جگہ عمل کیا جاسکے ؛ تو ایسی مثالوں میں معاملہ مفتی کے ذوق صحیح اور ملکۂ فقہیہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے، جو ان متعارض وجوہ ترجیح میں سے ایک کا انتخاب کر لیتا ہے، بسا اوقات مفتی صاحب اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ سد ذرائع ہو ؛ تو وہ احتیاط والے قول پر فتوی دیتے ہیں اور کبھی مفتی کے سامنے ایسا مسئلہ آتا ہے ؛ جس میں ابتلاء عام ہوتا ہے ؛ تو وہ اس قول پر عمل کرتے ہیں ؛ جس میں لوگوں کے لیے سہولت ہو۔ (اصول الافتاء وآدابہ: ۲۲۶)

﴿تمرینی سوالات﴾

۱ ۔ قضا اور وراثت کے مسائل میں کن کے قول پر فتوی ہے؟

۲ ۔ اگر کسی مسئلہ کی بابت اصحاب مذہب سے کوئی روایت نہ ملے اور متاخرین نے اس کا حکم بیان کیا ہو ؛ تو مفتی کے لیے کیا اصول ہے؟

۳ ۔ امام صاحب سے کوئی روایت نہ ملے اور شاگردوں میں اختلاف ہو جائے ؛ تو کن کے قول پر فتوی دیں گے؟

۴ ۔ مجتہدین فی المسائل کا اطلاق کن فقہا پر ہوتا ہے؟

۵ ۔ امام محمدؒ کی کتب ستہ کا کیا نام ہے؟ بالترتیب جواب دیں۔

۶ ۔ روایۃ النوادر کا اطلاق کن مسائل پر ہوتا ہے؟

۷ ۔ امام طحاویؒ، امام کرخیؒ، امام قدوریؒ ؛ کا اصل نام کیا ہے؟

ضعیف قول پر فتوی دینے کے ۳؍ اصول

پہلا اصول

جو شخص ضرورت مند ہو اور اس کے لیے کسی سخت مجبوری کے تحت ضعیف قول کو اختیار کرنا ناگزیر ہو جائے؛ تو اس کے لیے ضعیف قول پر عمل کرنا جائز ہے۔ (رسم المفتی: ۱۸۰)

دوسرا اصول

وہ مفتی جن کے اندر اجتہادی صلاحیت ہو، جس کی وجہ سے وہ مذہب کے ضعیف قول کو قوت دلیل کی بنا پر اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں؛ تو ان کے لیے (اپنے حق میں) اب ضعیف قول پر ہی عمل کرنا ضروری ہے؛ مگر بلا ضرورت دوسروں کو اس پر فتوی دینا جائز نہیں ہے۔ (ایضاً: ۱۸۱)

وَلا یَجُوزُ بِالضَّعِیْفِ الْعَمَلْ وَلا بِهٖ یُجَابُ مَنْ جَاءَ یَسْأَلْ

اِلَّا لِعَامِلٍ لَهٗ ضَرُوْرَةْ أوْ مَنْ لَهٗ مَعْرِفَةٌ مَشْهُوْرَةْ

ترجمہ: اور ضعیف قول پر عمل کرنا؛ جائز نہیں ہے اور نہ سوال کرنے والے کو ضعیف قول کے مطابق جواب دیا جائے گا؛ مگر وہ عمل کرنے والا؛ جس کو مجبوری ہے، یا وہ مفتی؛ جن کو مہارتِ تامہ حاصل ہے۔

تیسرا اصول

اگر صحیح قول پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمان کی تکفیر ہو رہی ہو اور اس قول کے خلاف کوئی ضعیف روایت ہو؛ تو اسی قول پر فتوی دیں گے۔ (ایضاً: ۱۸۰)

وَ کُلُّ قَوْلٍ جَاءَ یَنْفِی الْکُفْرا عَنْ مُسْلِمٍ وَلَوْ ضَعِیفاً أحْرٰی

ترجمہ: اور ہر ایسا قول؛ جو منقول ہو اور وہ مسلمان سے کفر کی نفی کرتا ہو؛ گرچہ وہ ضعیف قول ہو؛ زیادہ قابل قبول ہے۔

نوٹ: قاضی بہرصورت مذہب کے مشہوراورراجح قول پرفیصلہ کریں گے۔(ایضاً)

لٰکِنَّمَا الْقَاضِیْ بِہٖ لا یَقْضِیْ وَاِنْ قَضٰی فَحُکْمُہٗ لا یَمْضِیْ

لا سِیَّمَا قُضَاتُنَا اِذْ قُیِّدُوا بِرَاجِحِ الْمَذْھَبِ اِذْ قُلِّدُوا

ترجمہ: البتہ قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے۔اوراگرکریں گے؛تووہ فیصلہ نافذنہیں ہوگا۔خاص طور پر ہمارے زمانے کے قاضی؛اس لیے کہ انھیں مذہب کے راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنے کاپابندبنایاگیاہے جب انھیں (قضاکا) عہدہ سونپاگیا۔

............☆............

کتاب کے غیر معتبر ہونے کے ۱۰/اصول

کتب غیر معتبرہ سے فتوی دینے کاحکم

مفتی کے لیے لازم ہے کہ وہ صرف ان کتابوں سے فتوی دیا کریں؛جن کوفقہاء کرام نے معتبرقراردیاہے،غیرمعتبراورضعیف کتابوں سے فتوی دینا؛جائزنہیں ہے،علامہ شامیؒ فرماتے ہیں"اِنَّه لا یَجُوزُ الْاِفْتَاءُ مِنْ هٰذِه الْکُتُبِ،اِلّا اِذا عَلِمَ الْمَنْقُولَ عَنْهُ،وَالْاِطِّلاعَ عَلٰی مَاخَذِها (رسم المفتی:۵۶)یعنی غیرمعتبرکتابوں سےاس وقت فتوی دیناجائزہے؛جب اس کاماخذ مل جائے،علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں"غیرمعتبرکتابوں میں جومسائل مذکورہیں؛اگروہ معتبرفقہی کتابوں کے موافق ہوں؛توان پرعمل کریں گے،ورنہ انھیں ترک کردیں گے،نیزان مسائل کا اگرماخذمل جائے؛توان پرعمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اسی طرح اگروہ علت ختم ہوجائے؛ جس کی وجہ سے وہ کتاب غیرمعتبرہوئی تھی؛تووہ کتاب؛معتبرہوجائے گی۔(عمدۃ الرعایہ:۱/۶۳)

ذیل میں کتاب کے غیرمعتبرہونےاوراس کی شناخت کے دس اصول درج ہیں۔

پہلااصول:مؤلف کامجہول ہونا

اگرکسی مصنف کانام ونسب مجہول ہو،یاان کی علمی حالت غیرمشہورومعروف ہو؛توان

کی کتابیں غیر معتبر ہوں گی، مثلاً ملا مسکینؒ کی ''شرح الکنز''، علامہ قہستانیؒ کی ''جامع الرموز فی شرح النقایہ''، اور قاضی جکن کی ''خزانۃ الروایات'' غیر معتبر ہیں؛ اس لیے کہ ان کتابوں کے مصنفین کی علمی حالت مشہور و معروف نہیں ہے۔ (حاشیہ رسم المفتی: ۵۵، عمدۃ الرعایہ: ۴۹، المذھب الحنفی: ۱/۲۳۵)

دوسرا اصول: کتاب کا ضعیف روایات پر مشتمل ہونا

اگر کوئی مصنف علم و فقہ میں معروف و مشہور ہوں؛ لیکن وہ اپنی کتاب میں ضعیف اقوال نقل کرتے ہیں؛ تو وہ کتاب غیر معتبر ہوگی، مثلاً علامہ زاہدیؒ کی ''قنیۃ المنیۃ''، ابوبکر بن علی الحدادؒ کی ''السراج الوہاج'' اور فضل اللہ محمد بن ایوب صوفیؒ کی ''الفتاوی الصوفیہ'' غیر معتبر ہیں، اس لیے کہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں ضعیف اقوال نقل کیا ہے اور اس کی صراحت بھی نہیں کی ہے۔ (اصول الافتاء للعثمانی: ۲۱۰، المصباح للراشدی: ۴۵۵، المدخل لعلی جمعہ: ۱۳۱)

تیسرا اصول: عبارت کا انتہائی مختصر ہونا

اگر کسی کتاب کی عبارتیں اتنی مختصر ہوں؛ کہ اس کی وجہ سے عبارت کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہو؛ تو وہ کتاب غیر معتبر ہوگی۔ مثلاً علامہ عمر بن نجیمؒ کی ''النھر الفائق''، علامہ بدر الدین عینیؒ کی ''رمز الحقائق'' اور علامہ حصکفیؒ کی ''الدر المختار شرح تنویر الابصار'' غیر معتبر ہیں، اس لیے کہ ان کتابوں کی عبارتیں انتہائی مختصر اور کافی پیچیدہ ہیں، لہذا ان کتابوں سے اس وقت فتوی دینا جائز ہے؛ جب عبارت مکمل طور پر سمجھ میں آجائے اور کسی قسم کا خلجان نہ ہو۔ (المذھب الحنفی: ۱/۲۲۶، حاشیہ رسم المفتی: ۵۵، اصول الافتاء للعثمانی: ۲۱۴، المصباح للراشدی: ۴۶۰)

چوتھا اصول: کتاب کا ضعیف ہونا

اگر کوئی فقیہ؛ کسی کتاب کو ضعیف قرار دیں؛ تو وہ کتاب غیر معتبر ہوگی؛ الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی صراحت موجود ہو، مثلاً علامہ فخر الدین یحیی بن عبد اللہ رومیؒ کی ''مشتمل الاحکام فی الفتاوی الحنفیہ'' یہ غیر معتبر ہے؛ اس لیے کہ علامہ برکلیؒ (محمد بن پیر علی) اور علامہ لکھنویؒ نے اس کو

ضعیف قرار دیا ہے۔ (المذھب الحنفی: ۱/۲۲۶)

پانچواں اصول: مؤلف کا ضعیف ہونا

اگر کوئی فقیہ؛ کسی مصنف کو ضعیف قرار دیں؛ تو ان کی کتابیں غیر معتبر ہوں گی؛ الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی صراحت موجود ہو، مثلاً علامہ زاھدیؒ کے بارے میں، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں "اِنَّ الزاھِدی یَنقُلُ الرِّوایاتِ الضَّعِیفَۃَ،فَلا یُتابَعُ فِیماانْفَرَدَ بِہٖ"، لہٰذا! ان کی کتابیں غیر معتبر ہوں گی۔ (المذھب الحنفی: ۱/۲۳۸)

چھٹا اصول: مؤلف کتاب کی طرف نسبت میں شک کا پایا جانا

بعض کتابیں ایسی ہیں؛ جو مطبوعہ ہیں؛ لیکن جن مؤلفین کی طرف وہ منسوب ہیں؛ ان کی نسبت میں شک ہے۔ لہٰذا! ایسی کتابیں غیر معتبر ہوں گی، مثلاً "المخارج فی الحیل" جو امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب ہے؛ یہ نسبت صحیح نہیں ہے، جیسا کہ "المذھب الحنفی" میں اس کی صراحت ہے اور مکتبہ قاہرہ سے یہ کتاب امام محمدؒ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ نیز "الفتاوی العزیزیہ" جو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دھلویؒ کی طرف منسوب ہے؛ یہ بھی غلط ہے؛ اس لیے کہ مفتی تقی عثمانی صاحب کے بقول: یہ آپ کی تالیف نہیں ہے؛ بلکہ آپ کی وفات کے بعد ایک غیر معروف آدمی نے آپ کے فتاوی کو جمع کر دیا ہے، نیز اس نے اس کتاب میں ان فتاوی کا بھی اضافہ کر دیا ہے؛ جو حضرت دھلویؒ سے منقول نہیں ہیں، لہٰذا یہ دونوں کتابیں غیر معتبر ہوں گی۔ (المذھب الحنفی: ۱/۲۳۹، اصول الافتاء للعثمانی: ۲۱۶، المصباح للراشدی: ۴۶۳)

ساتواں اصول: کتاب کا فقہ کے علاوہ دیگر فنون میں ہونا

اگر فقہ کے علاوہ دیگر فنون (تفسیر، حدیث، اصول فقہ) کی کتابوں میں فقہی مسائل کا ذکر آئے؛ تو فتوی دینے کی حیثیت سے وہ کتاب غیر معتبر ہوگی۔ مثلاً علامہ عینیؒ کی "عمدۃ القاری"، ملا علی قاریؒ کی "مرقاۃ المفاتیح" اور علامہ عبد اللطیف بن عبد العزیز بن ملکؒ کی "مبارق

الازھارشرح مشارق الانوار‘‘غیر معتبر کتابیں ہیں؛اس لیے کہ ان کتابوں میں فقہی مسائل کا ذکر تبعاً آیا ہے،لہذا!ان میں ذکر کردہ مسائل اگر معتبر فقہی تصانیف کے مطابق ہوں؛تو ان پر عمل کریں گے،ورنہ انھیں چھوڑدیں گے۔(المذھب الحنفی:۱/۲۳۰،اصول الافتاء للعثمانی:۲۱۷،المصباح للراشدی:۴۶۶)

آٹھواں اصول:کتاب کا مفقود ہونا

جو کتاب ماضی میں موجود تھی؛لیکن اس زمانہ میں اس کا مطبوعہ یا مخطوطہ نسخہ نہیں ملتا ہے اور اس میدان کا ماہر آدمی اس کتاب کے نہ ملنے کا حکم لگادے؛تو ایسی کتابیں غیر معتبر ہوں گی۔مثلاً’’المحیط البرھانی‘‘کا نسخہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کو بعض فقہا نے غیر معتبر کتابوں کی فہرست میں شامل کردیا تھا،جیسا کہ علامہ لکھنویؒ نے’’الفوائد البھیہ‘‘میں اس کی صراحت کی ہے؛البتہ یہ کتاب منظر عام پر آگئی ہے،لہذا اس سے فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(المذھب الحنفی:۱/۲۳۲،اصول الافتاء للعثمانی:۲۱۵،المصباح للراشدی:۴۶۱)

نواں اصول:طباعت میں کثیر اغلاط کا پایا جانا

اگر کسی کتاب میں؛طباعت کی بہت زیادہ غلطیاں ہوں؛تو ایسی کتابیں غیر معتبر ہوں گی،جب تک کہ اس کا دوسرا صحیح نسخہ نہ مل جائے۔(المذھب الحنفی:۱/۲۳۳)

دسواں اصول:کتابت کا واضح نہ ہونا

بہت ساری مخطوطہ کتابیں ایسی ہیں ؛جن کی کتابت واضح نہیں ہے اور یقینی طور پر عبارت کی خواندگی مشکل ہے؛لہذا!اس نسخہ سے محض گمان کے طور پر فتوی دینا جائز نہیں ہے؛البتہ اگر عبارت سمجھنے کا یقین ہوجائے؛تو فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(المذھب الحنفی:۱/۲۳۴)

﴿تمرینی سوالات﴾

۱ ۔ ضعیف روایات پر مشتمل تین کتابوں کی صراحت کریں۔

۲ ۔ غیر معتبر کتابوں کا حکم بیان کریں۔

۳ ۔ الفتاوی الصوفیہ اور الدر المختار کے غیر معتبر ہونے کی وجہ بیان کریں۔

۴ ۔ مبارق الازھار اور النھر الفائق؛ کن کی تصانیف ہیں؟

۵ ۔ مرقاۃ المفاتیح کے غیر معتبر ہونے کی کیا وجہ ہے؟

۶ ۔ الفتاوی العزیزیہ کن کی طرف منسوب ہے اور کیا یہ نسبت صحیح ہے؟

۷ ۔ علامہ برکلیؒ نے کس کتاب کو ضعیف قرار دیا ہے اور وہ کس اصول کے تحت آتی ہے؟

۸ ۔ علامہ زاھدیؒ کے بارے میں علامہ شامیؒ کی کیا رائے ہے؟

۹ ۔ السراج الوہاج اور الفتاوی الصوفیہ کے مصنف کا کیا نام ہے؟

۱۰ ۔ ملا مسکینؒ اور علامہ قہستانیؒ کی کتاب کا نام ذکر کریں۔

............☆............

مفہوم کے تفصیلی مباحث

وَاعْمَلْ بِمَفْهُومِ رِوَايَاتٍ أَتٰى مَالَمْ يُخَالِفْ لِصَرِيْحٍ ثُبِتَا

ترجمہ: اور آپ ان روایتوں کے مفہوم پر عمل کریں؛ جو وارد ہوئی ہیں، جب تک وہ کسی صریح ثابت شدہ قول کے خلاف نہ ہو۔ (رسم المفتی: ۱۴۷)

احناف کا طریقہ استدلال

جاننا چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک لفظ کی اپنے معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں (۱) عبارۃ النص (۲) اشارۃ النص (۳) دلالۃ النص (۴) اقتضاء النص۔ (الوجیز للزحیلی: ۱۳۸/۲)

عبارۃ النص

عبارۃ النص یہ ہے کہ لفظ اس معنی پر دلالت کرے؛ جو اس کلام سے بالذات یا بالتبع

مقصود ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۵) اس آیت میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک یہ کہ بیع اور ربوا؛ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور دوسرا یہ کہ اللہ نے بیع کو حلال اور ربوا کو حرام قرار دیا ہے، گرچہ پہلا معنی؛ اس آیت سے بالذات مقصود ہے؛ اس لیے کہ یہ ان لوگوں کی تردید کے لیے نازل ہوئی؛ جو بیع کو ربوا کے مثل سمجھتے تھے اور دوسرا معنی بالتبع مقصود ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۴۹، الوجیز للزحیلی:۲/۱۳۹)

اشارۃ النص

اشارۃ النص یہ ہے کہ لفظ اس معنی پر دلالت کرے؛ جو اس کلام سے نہ تو بالذات مقصود ہو اور نہ ہی بالتبع، لیکن وہ معنی اس کلام سے سمجھ میں آتا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ:۲۳۳)۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت باپ پر واجب ہوگی؛ لیکن باپ کو ''مولود لہ'' کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا؛ کہ بچوں کا نسب باپ سے ثابت ہوگا نہ کہ ماں سے، پس باپ پر اجرت کا واجب ہونا اس آیت کا ''عبارۃ النص'' ہے اور بچوں کا باپ کی طرف منسوب ہونا اس آیت کا ''اشارۃ النص'' ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۵۰، الوجیز للزحیلی:۲/۱۴۰)

دلالۃ النص

دلالۃ النص یہ ہے کہ لفظ اس معنی پر دلالت کرے؛ جو عبارت میں مذکور نہ ہو، مگر وہ اس سے بلا غور و فکر سمجھ میں آتا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ (بنی اسرائیل:۲۳) اس آیت میں اللہ نے والدین کو اف کہنے سے منع کیا ہے اور والدین کو گالی دینے کا؛ ذکر نہیں کیا؛ مگر ایک عام آدمی بھی اس آیت کو سنے گا؛ تو وہ بھی کہے گا: کہ والدین کو گالی دینا بھی ناجائز ہے، یہی اس آیت کا ''دلالۃ النص'' ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۵۳)

اقتضاء النص

اقتضاء النص یہ ہے کہ کلام میں کسی ایسے لفظ کو مقدر مانا جائے؛ جس پر شرعاً یا عقلاً، اس کلام کی صحت کا دارو مدار ہو، (یعنی اس لفظ کو پوشیدہ مانے بغیر، اس کلام کا معنی درست نہ ہوتا ہو)، جیسے: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ (المائدہ: ۳) اس آیت میں مَیْتَة سے پہلے لفظ اکْل پوشیدہ ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۱/۳۵۵، الوجیز للزحیلی: ۲/۱۴۵)

فائدہ

(۱) ان چاروں سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں؛ وہ قطعی ہوتے ہیں؛ الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی صراحت موجود ہو۔

(۲) ان چاروں میں عبارۃ النص؛ اشارۃ النص کے مقابلے میں، اشارۃ النص؛ دلالۃ النص کے مقابلے میں اور دلالۃ النص؛ اقتضاء النص کے مقابلے میں زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ (الوجیز للزحیلی: ۲/۱۴۷، اصول الفقہ للزحیلی: ۱/۳۵۷)

شوافع کا طریقۂ استدلال

شوافع اور متکلمین کے نزدیک لفظ کی اپنے معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: (۱) منطوق (۲) مفہوم

منطوق

وہ معنی ہے؛ جس پر براہِ راست اس کلام کے الفاظ دلالت کریں (یعنی اس معنی کی ادائیگی کے لیے ہی وہ لفظ لایا گیا ہو)۔

مفہوم

وہ معنی ہے جو کلام کے اصل الفاظ سے سمجھ میں نہ آئے؛ لیکن اس سے مستفاد ہو (یعنی

اس معنی کی ادائیگی کے لیے وہ لفظ نہ لایا گیا ہو؛البتہ اس کلام سے سمجھ میں آتا ہو)۔(مستفاد از:اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۶۰،۳۶۱،الوجیز للزحیلی:۲/۱۴۸)

نوٹ:منطوق کے ذیل میں حنفیہ کے تینوں اقسام:عبارۃ النص،اشارۃ النص اور اقتضاء النص؛آجاتے ہیں اور مفہوم موافق کو حنفیہ دلالۃ النص سے تعبیر کرتے ہیں۔(اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۶۰)

مفہوم کے اقسام

مفہوم کی دو قسمیں ہیں:(۱)مفہوم موافق (۲)مفہوم مخالف

مفہوم موافق

جس صورت کا کلام میں ذکر نہیں ہے؛اس پر وہی حکم لگانا؛جس کا کلام میں ذکر ہے؛مفہوم موافق کہلاتا ہے۔

مفہوم مخالف

جس صورت کا کلام میں ذکر نہیں ہے؛اس پر ایسا حکم لگانا؛جو منطوق کے خلاف ہو ؛مفہوم مخالف کہلاتا ہے،اس کا دوسرا نام دلیل خطاب ہے۔(الوجیز للزحیلی:۲/۱۵۴،اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۶۲)

مفہوم موافق کے اقسام

مفہوم موافق کی دو قسمیں ہیں:(۱)فحوی الخطاب (۲)لحن الخطاب

فحوی الخطاب

نص میں جس صورت کا حکم مذکور نہیں ہے،اگر وہ بدرجۂ اولی،منطوق کے حکم کی حامل ہو؛تو اس کو فحوی الخطاب کہتے ہیں،جیسے باری تعالی کے فرمان ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ﴾ (بنی اسرائیل:۲۳) ماں باپ کو اف نہ کہو،اس آیت میں جو حکم مذکور ہے؛اس سے مسکوت عنہ یعنی

والدین پر دست درازی کی حرمت کا حکم؛ بدرجۂ اولی سمجھ میں آتا ہے۔

لحن الخطاب

نص میں جس صورت کا حکم مذکور نہیں ہے، اگر وہ برابر درجہ میں، منطوق کے حکم کی حامل ہو؛؛ تو اس کو لحن الخطاب کہتے ہیں، جیسے باری تعالی کا فرمان ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْماً﴾ (النساء: ۱۰) اس آیت میں ظلماً یتیموں کا مال کھانے پر وعید مذکور ہے؛ لیکن اس آیت سے یتیموں کا مال؛ جلانے کی وعید بھی سمجھ میں آتی ہے؛ اس لیے کہ آیت کا اصل مقصد؛ یتیم کے مال کو تلف کرنے سے منع کرنا ہے، اور اتلاف دونوں صورتوں میں برابر درجہ کی ہے۔ (الوجیز للزحیلی: ۱۵۴/۲)

مفہوم مخالف کے اقسام

مفہوم مخالف کی چند مشہور قسمیں مندرجہ ذیل ہیں: (۱) مفہوم صفت (۲) مفہوم شرط (۳) مفہوم غایت (۴) مفہوم عدد (۵) مفہوم لقب۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۳۶۲/۱)

مفہومِ صفت

منطوق کے حکم کو کسی صفت کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا؛ کہ اس صفت کے نہ پائے جانے کی صورت میں؛ اس (مسکوت) کے لیے منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی؛ مفہوم صفت کہلاتا ہے، مثلاً ﴿فِي الْغَنَمِ السَّائِمَةِ زَكٰوةٌ﴾ سے یہ حکم مستنبط کرنا کہ علوفہ بکریوں پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۳۶۲/۱)

مفہوم شرط

منطوق کے حکم کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے سے یہ سمجھنا؛ کہ جہاں وہ شرط نہ پائی جائے گی؛ وہاں منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی؛ مفہوم شرط کہلاتا ہے، مثلاً ارشاد ربانی ﴿وَ إِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق: ٦) سے یہ حکم مستنبط کرنا کہ جو مطلقہ

بائنہ؛ حاملہ نہ ہو؛ اس کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۱/۳۶۳)

مفہوم غایت

منطوق کے حکم کو کسی غایت کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا؛ کہ جہاں وہ غایت ختم ہوگی؛ وہاں منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی؛ مفہوم غایت کہلاتا ہے، مثلاً ارشاد خداوندی ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۲۲) سے یہ استدلال کرنا کہ حیض سے پاک ہوجانے کے بعد بیوی سے وطی جائز ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۱/۳۶۴، الوجیز للزحیلی: ۲/۱۶۰)

مفہوم عدد

منطوق کے حکم کو کسی خاص عدد کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا؛ کہ اس عدد کے ماسوا پر وہ حکم جاری نہیں ہوگا؛ مفہوم عدد کہلاتا ہے، مثلاً باری تعالی کے فرمان ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً﴾ (النور: ۴) سے یہ استدلال کرنا کہ ۸۰ سے زائد کوڑے لگانے کی اجازت نہیں ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۱/۳۶۵، المصباح للراشدی: ۴۸۲)

مفہوم لقب

منطوق کے حکم کو کسی اسم جامد (غیر مشتق) کے ساتھ معلق کرنے سے یہ سمجھنا؛ کہ اس کے علاوہ میں منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی؛ مفہوم لقب کہلاتا ہے، مثلاً ﴿فِي الْغَنَمِ زَكٰوةٌ﴾ سے یہ استدلال کرنا کہ "غَنَم" کے علاوہ کسی بھی جانور میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۱/۳۶۵، الوجیز للزحیلی: ۲/۱۶۲)

مفہوم موافق ومخالف کا اعتبار

(۱) نصوص شرعیہ و غیر شرعیہ، دونوں میں؛ بالاتفاق مفہوم موافق معتبر ہے۔ (رسم المفتی: ۱۴۹، اصول الافتاء للعثمانی: ۲۴۳)

(۲) نصوص شرعیہ وغیر شرعیہ، دونوں میں؛ بالاتفاق مفہوم لقب غیر معتبر ہے۔ (الوجیز

للزحیلی: ۲/ ۱۶۷، اصول الفقہ للزحیلی: ۱/ ۳۶۶)

(۳) نصوص غیر شرعیہ (لوگوں کے اقوال اور فقہی عبارات وغیرہ) میں، شوافع اور احناف؛ دونوں کے یہاں، مفہوم لقب کے علاوہ مفہوم مخالف کی تمام اقسام؛ معتبر ہیں۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۱/ ۳۶۷)

(۴) نصوص شرعیہ میں، مفہوم لقب کے علاوہ مفہوم مخالف کی تمام اقسام؛ صرف شوافع کے یہاں معتبر ہیں، لیکن احناف عقوبات کے علاوہ دیگر نصوص میں ان کا اعتبار نہیں کرتے ہیں۔ (اصول الافتاء للعثمانی: ۲۳۳، رسم المفتی: ۱۴۹ تا ۱۵۷، الوجیز للزحیلی: ۲/ ۱۶۷، ۱۶۸)

نوٹ: دلائل کے لیے اصول الفقہ للزحیلی: ۱/ ۳۶۸ تا ۳۷۱ کا مطالعہ کریں۔

مفہوم مخالف کے معتبر ہونے کی شرطیں

فقہاء کرام میں سے جو حضرات، مفہوم مخالف کو معتبر مانتے ہیں؛ ان کے یہاں اس سلسلہ میں کچھ شرائط بھی ہیں؛ جو حسب ذیل ہیں

(۱) مفہوم مخالف؛ قرآن و حدیث کے منطوق، مفہوم موافق یا قیاس کے معارض نہ ہو، مثلاً باری تعالی کے فرمان ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی، اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی﴾ (البقرة: ۱۷۸) اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ مذکر کو مؤنث کے بدلے میں نہیں قتل کیا جائے گا؛ لیکن یہ مفہوم؛ منطوق ﴿وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (المائدة: ۴۵) کے معارض ہے؛ اس لیے کہ اس آیت میں مطلق نفس کا تذکرہ ہے، مذکر و مؤنث کی قید نہیں ہے۔ (اصول الفقہ للزحیلی: ۱/ ۳۷۲)

(۲) نص بطور امتنان یعنی اللہ تعالی کے احسان جتلانے اور اس کی یاد دہانی کے لیے نہ وارد ہوئی ہو، مثلاً اللہ تعالی نے ﴿لِتَاْکُلُوْا مِنْھَا لَحْماً طَرِیّاً﴾ (النحل: ۱۴) میں طَرِیّاً کا ذکر بطور امتنان کے فرمایا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گوشت اگر تازہ نہ ہو؛ تو اسے کھانے کی

اجازت نہیں ہے۔(اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۷۳)

(۳)نص میں کسی خاص واقعہ یا حکم سے متعلق سوال کا جواب نہ ہو،مثلاً زمانۂ جاہلیت میں جوسود درسود کا سلسلہ چلتا تھا،اس پس منظر میں اللہ تعالی کا ارشاد ہوا﴿یاَیُّھا الَّذِینَ اٰمَنُوا لا تاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعافاً مُّضاعَفۃً﴾(آل عمران:۱۳۰)اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلا سود جائز ہےاوراس پر لیا جانے والا سود ناجائز؛ بلکہ مطلق سود سے منع کیا گیا ہے۔(قاموس الفقہ:۵/۱۳۶)

(۴)نص؛تاکید یا کسی معاملہ کی اہمیت کے اظہار کے لیے نہ وارد ہوئی ہو،مثلاً ارشاد رسول﴿لا یَحِلُّ لِامْرَاَۃٍ تُؤمِنُ بِاللہِ وَالْیَومِ الْاٰخِرِ اَنْ تَحُدَّ فَوقَ ثَلاثَۃِ اَیَّامٍ اِلَّا عَلٰی زَوجِھا اَرْبَعَۃَ اَشھُرٍ وَ عَشْراً﴾(بخاری)اس حدیث میں ایمان والی عورت کا تذکرہ،محض حکم خداوندی پرآمادہ کرنے کے لیے ہے،اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو عورتیں مومن نہیں ہیں؛ان کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی اجازت ہے۔(اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۷۳)

(۵)مفہوم مخالف کو معتبر ماننے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ کلام میں اس کا تذکرہ،ضمناً یاتبعاً نہ آیا ہو،مثلاً ارشاد خداوندی﴿وَلا تُباشِرُوھُنَّ وَ اَنْتُمْ عاکِفُونَ فِی الْمَساجِدِ﴾(البقرۃ:۱۸۷)اس میں"فی المساجد" کی قید تبعاً مذکور ہے؛ورنہ اعتکاف کی حالت میں جماع؛ بہر صورت ممنوع ہے۔(الوجیز للزحیلی:۲/۱۶۷)

(۶)نص میں جو کلام عام حالات یا کسی واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے وارد ہوا ہو؛اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے،مثلاً ﴿وَرَبائِبُکُمُ الّلاتِی فِی حُجُورِکُم﴾(النساء:۲۳)اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جولڑکیاں زیر پرورش نہ ہوں؛ان سے نکاح جائز ہے،لیکن چوں کہ عام طور سے مرد اپنی سوتیلی بچیوں کی بھی پرورش کرتا ہےاوراس کی ترغیب دینا بھی مقصود ہے،اس لیے قرآن مجید میں اس قید کا تذکرہ ہے۔(اصول الفقہ للزحیلی:۱/۳۷۴)

تمرینی سوالات

۱ ۔ مفہوم غایت کی تعریف کرتے ہوئے مثال سے اس کی وضاحت کریں۔
۲ ۔ منطوق ومفہوم میں کیا فرق ہے؟۔
۳ ۔ مفہوم شرط کی تعریف بیان کریں۔
۴ ۔ اشارۃ النص کسے کہتے ہیں؟
۵ ۔ مفہوم عدد کی وضاحت کریں۔
۶ ۔ دلالۃ النص سے کیا مراد ہے؟۔
۷ ۔ مفہوم کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کی تعریف کریں۔
۸ ۔ مفہوم موافق کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کی تعریف کریں۔
۹ ۔ "فاجلدوهم ثمانين جلدة" اور "في الغنم زكوة" ؛ یہ دونوں مثالیں مفہوم مخالف کی پانچ اقسام میں سے کس قسم کے تحت آتی ہیں؟
۱۰ ۔ اقتضاء النص کی تعریف کرتے ہوئے مثال سے اس کی وضاحت کریں۔

عرف کے تفصیلی مباحث

وَالْعُرْفُ فِی الشَّرْعِ لَهُ اِعتِبار لِذا عَلَيْهِ الْحُكْمُ قَدْ يُدار

ترجمہ: اور شریعت میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے؛ اسی وجہ سے بہت سارے احکام کا دار ومدار اسی پر ہے۔ (رسم المفتی: ۱۵۸)

فقہ اسلامی کا ایک اہم ماخذ اور سرچشمہ "عرف وعادت" ہے، قرآن وحدیث اور فقہاء

امت کے اقوال میں بے شمار مسائل کو عرف وعادت پر مبنی رکھا گیا ہے، بالخصوص: فقہ اسلامی کے وہ ابواب؛ جن کا تعلق معاملات، معاہدات، معاشرت اور طلاق وایمان سے ہے، ان میں عرف کا بڑا دخل ہے، عرف وعادت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اصحاب فقہ وفتاوی کے لیے اپنے زمانہ کے عرف وعادت کی معرفت کو ضروری قرار دیا گیا ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں "لَیسَ لِلْمُفتی و لا لِلْقاضِی اَنْ یَّحْکُما عَلٰی ظاھِرِ الْمَذْھَبِ وَ یَتْرُکا الْعُرْفَ" مفتی اور قاضی کے لیے جائز نہیں ہے، کہ وہ دونوں؛ عرف کو چھوڑ کر ظاہر مذہب کے مطابق فیصلہ کریں۔ (رسم المفتی: ۱۶۹)

ذیل میں عرف وعادت سے متعلق چند مباحث درج کیے جاتے ہیں

عرف وعادت کی تعریف

عرف: لغوی طور پر جانی پہچانی چیز کو کہتے ہیں، اصطلاح شرع کے اندر عرف سے مراد: وہ اقوال وافعال ہیں؛ جو معاشرہ میں رائج ہوں اور لوگ ان پر عمل پیرا ہوں۔

عادت: لغت کے اعتبار سے کسی امر کے بار بار پیش آنے کو کہتے ہیں، اصطلاح شرع کے اعتبار سے "کسی امر کا عقلی رشتہ کے بغیر اس طرح بار بار پیش آنا، کہ طبعی امور کی طرح اس کی انجام دہی آسان ہوجائے"؛ عادت کہلاتی ہے۔ (عرف وعادت)

عرف وعادت میں فرق

عرف وعادت کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں تین نقاط نظر پائے جاتے ہیں

پہلا نقطۂ نظر

دونوں کے اندر عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، عرف کے مقابلے میں عادت کے اندر زیادہ عموم ہے، بایں طور کہ عادت کا تعلق؛ ایک انسان کے فعل پر بھی ہوتا ہے، جب کہ عرف کا

تعلق؛عام انسان کے قول وفعل سے ہوتا ہے،اس اعتبار سے ہر عرف کا عادت ہونا ضروری ہے،مگر ہر عادت کا عرف ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر

عرف کا تعلق؛صرف قول سے ہےاور عادت کا تعلق؛صرف عمل سے ہے،ابن ہمامؒ نے لکھا ہے"اَلعادۃُ اَلْعُرْفُ الْعَمَلِیُّ"اس اعتبار سے دونوں کے مابین تباین کی نسبت ہے۔

تیسرا نقطۂ نظر

عرف وعادت میں مصداق اور حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں مترادف ہیں،اس اعتبار سے دونوں کے مابین تساوی کی نسبت ہے،امام نسفیؒ اور علامہ شامیؒ کی یہی رائے ہے،شیخ عبدالوہاب خلافؒ اور ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے اسی کو ترجیح دی ہے،مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے۔(عرف وعادت بتصرف:۷۹،العادۃ محکمۃ:۴۹،المصباح للراشدی:۵۱۶)

عرف واجماع میں فرق

عرف اور اجماع میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں اتفاق اور عموم پایا جاتا ہے؛بالخصوص عرف عام اور اجماع میں زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے،اس کے باوجود عرف اور اجماع کے درمیان حسب ذیل وجوہ سے فرق ہے

(۱)عرف؛عام لوگوں کے قول وفعل سے وجود میں آتا ہے،جبکہ اجماع میں عام لوگوں کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے،یہ صرف مجتہدین کے اتفاق سے وجود میں آتا ہے۔

(۲)اجماع کے لیے ضروری ہے کہ تمام مجتہدین اس سے متفق ہوں،کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہ ہو،جبکہ عرف میں اکثر لوگوں کا اتفاق؛کافی ہے۔

(۳)اجماع سے جو حکم ثابت ہوتا ہے؛وہ قطعی ہوتا ہے،جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش

نہیں ہوتی ہے،اس کے برخلاف عرف سے ثابت شدہ حکم میں تبدیلی ہوسکتی ہے، بلکہ بعض دفعہ عرف بدلنے کی وجہ سے حکم میں تبدیلی کرنا واجب ہوتا ہے۔

(۴) اجماع؛نص کے مقابلے میں بھی معتبر ہے،اس لیے کہ وہ خود دلیل قطعی ہے،لیکن عرف کی یہ حیثیت نہیں ہے، کیوں کہ اگر عرف نص سے اس طرح معارض ہو جائے؛ کہ دونوں میں سے صرف ایک ہی پر عمل ہوسکتا ہو؛ تو بالاتفاق عرف کو چھوڑ کر نص پر عمل کریں گے۔

(۵) اجماع؛ صرف ایک مرتبہ کے اتفاق کر لینے سے عمل میں آجاتا ہے، جب کہ عرف کے معتبر ہونے کے لیے تکرار و استمرار لازم ہے۔

(۶) جب ایک بار کسی مسئلہ پر اجماع منعقد ہوگیا؛ تو اب اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے؛لیکن عرف کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ کسی معاملہ کی بابت عرف کے پائے جانے کے باوجود اجتہاد کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔(العادۃ محکمۃ:۵۲،المصباح للراشدی:۵۱۸)

عرف وعادت کے اعتبار پر شرعی دلائل

عرف کے معتبر ہونے پر قرآن، حدیث، قیاس اور اجماع سے استدلال کیا جاتا ہے

قرآن: قرآن کی سب سے واضح دلیل ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِلَه رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(البقرۃ:۲۳۳) والی آیت ہے، یہاں معروف سے وہی مقدار مراد ہے؛ جو رواجاً دی جاتی ہے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند(ابوسفیانؓ کی بیوی) سے نفقہ کے بارے میں فرمایا﴿خُذِی ما یَکْفِیْکِ وَبَنِیکِ بِالْمَعْرُوفِ﴾(بخاری) اس روایت میں ظاہر ہے کہ معروف سے نفقہ کی عام مروج مقدار مراد ہے۔

قیاس: عرف کے معتبر ہونے پر، عقل وقیاس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے؛ اس لیے

کہ اگر عرف و عادت کا اعتبار نہ کیا جائے؛ تو انسان حرج وتنگی میں پڑ جائے گا، جو منشأ قرآنی ﴿وَما جَعَلَ عَلَيكُم فِي الدّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾(الحج:۷۸) کے خلاف ہوگا۔

اجماع: جہاں تک اجماع کی بات ہے؛ تو حقیقت یہ ہے کہ فی الجملہ عرف وعادت کے معتبر ہونے پر فقہا کا اجماع واتفاق بھی پایا جاتا ہے، گو اس کی حدود وشرائط کی بابت قدرے اختلاف ہے۔(العادۃ محکمۃ:۱۲۱تا۱۲۵)

عرف کے اقسام

پہلی تقسیم

موضوع اور محل کے اعتبار سے عرف کی دو قسمیں ہیں (۱) عرف قولی/لفظی (۲) عرف عملی/فعلی

عرف قولی

بعض الفاظ یا تراکیب کا لوگوں کے درمیان، کسی خاص معنی میں اس طرح مروج ہوجانا؛ کہ جب وہ بولا جائے؛ تو کسی قرینہ اور عقلی دلیل کے بغیر وہی معنی سمجھا جائے؛ عرف قولی کہلاتا ہے۔ اگر لفظی یا عقلی قرینہ کی بنیاد پر وہ معنی مراد لیا جائے؛ تو اسے مجاز سے تعبیر کرتے ہیں۔

عرف عملی

کسی عمل کے بارے میں لوگوں کا طریقہ، جسے رواج عام حاصل ہو چکا ہو؛ عرف عملی کہلاتا ہے۔(العادۃ محکمۃ:۳۷، العرف لابی سنہ:۱۸)

عرف قولی و عملی کا اعتبار

عرف قولی اور عملی کے معتبر ہونے پر تمام فقہا کا اتفاق ہے، علامہ شامیؒ نے قاسم بن قطلو بغاؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے ''حقیقت یہ ہے کہ وقف کرنے والے، وصیت کرنے والے، قسم

کھانے والے، نذر ماننے والے اور ہر معاملہ کرنے والے کا کلام اس عرف پر محمول کیا جائے گا؛ جو اس کی گفتگو میں مروج ہے اور اس زبان پر؛ جو وہ بولتا ہے، چاہے وہ عربی لغت اور شارع کے استعمال کے مطابق ہو یا نہ ہو'' ۔ (رسم المفتی: ۱۷۵) اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے اپنے مقالہ میں، چاروں دبستان فقہ میں، عرف عملی کے معتبر ہونے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے؛ جو عرف وعادت ص ۹۷ تا ۱۰۲ پر درج ہے۔

دوسری تقسیم

عرف کی وسعت اور دائرۂ رواج کے اعتبار سے، عرف کی دو قسمیں ہیں: (۱) عرف عام (۲) عرف خاص

عرف عام

عرف عام؛ اس قول وفعل کا نام ہے؛ جو عہد صحابہ یا اس کے بعد کے زمانہ میں، کسی معاملہ میں، تمام اسلامی علاقوں کے، تمام لوگوں میں رائج ہو، (فقہا نے عموما یہی تعریف کی ہے، البتہ بعض فقہا نے عرف عام کی تعریف یوں کی ہے: ایک ملک کے مختلف شہروں، علاقوں اور طبقوں کے مشترکہ رواج کا نام؛ عرف عام ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی اور اسلامک فقہ اکیڈمی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے)۔

عرف خاص

عرف خاص؛ اس قول وفعل کا نام ہے؛ جو عہد صحابہ یا اس کے بعد کے زمانہ میں، کسی معاملہ میں، ایک شہر، ایک طبقہ یا ایک پیشہ کے لوگوں میں رائج ہو۔ (العادۃ محکمۃ: ۴۰ تا ۴۲، عرف و عادت: ۲۳ تا ۲۵، العرف لابی سنہ: ۱۹)

عرف عام وخاص کا اعتبار

عرف عام اور عرف خاص کے اعتبار وعدم اعتبار پر، علامہ شامیؒ کی درج ذیل عبارت

بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتی ہے،

فنقول:اعلم ان العرف نوعان:عام و خاص،و کل منهما اما ان یوافق الدلیل الشرعی و المنصوص علیه فی کتب ظاهر الروایة، او لا،فان وافقهما ؛فلا کلام،و الا فاما ان یخالف الدلیل الشرعی او المنصوص علیه فی المذهب.....فامااذا خالف الدلیل الشرعی، فان خالفه من کل وجه بان لزم منه ترک النص؛ فلا شک فی رده....وان لم یخالفه من کل وجه بان ورد الدلیل عاما والعرف خالفه فی بعض افراده او کان الدلیل قیاسا؛فان العرف معتبر إن کان عاما،فان العرف العام یصلح مخصصا...و یترک به القیاس...وان کان العرف خاصافانه لایعتبر و هو المذهب(رسائل ابن عابدین:۲/۱۱۶)

و اما اذا خالف العرف ما هو ظاهر الروایة؛فنقول:اعلم ان المسائل الفقهیة اما ان تکون ثابتة بصریح النص و هی الفصل الاول و اما ان تکون ثابتة بضرب اجتهاد و رای......ولهذا تری مشائخ المذهب خالفوا ما نص علیه المجتهد فی مواضع کثیرة بناها علی ما کان فی زمنه لعلمهم بانه لو کان فی زمنهم لقال بما قالوا به اخذا من قواعد مذهبه.(رسائل ابن عابدین:۲/۱۲۵)

فان قلت:اذا کان علی المفتی اتباع العرف وان خالف المنصوص علیه فی کتب ظاهر الروایة،فهل هنا فرق بین العرف العام والعرف الخاص کما فی القسم الاول،وهو ما خالف فیه العرف النص الشرعی؟قلت:لا فرق بینهما هنا الا من جهة ان العرف العام یثبت به الحکم العام والعرف الخاص یثبت به الحکم الخاص.و حاصله ان حکم العرف یثبت علی اهله عاما او

خاصا فالعرف العام فی سائر البلاد یثبت حکمه علی اهل سائر البلاد و الخاص فـی بلـدة واحـدة یثبـت حـكـمـه عـلـى تـلـك البـلـدة فقط (رسـائل ابـن عابدین: ۲/ ۱۳۱، ۱۳۲)

فهـذه الـنـقـول و نـحوهادالة علی اعتبار العرف الخاص و ان خالف الـمـنصوص علیه فی کتب المذهب ما لم یخالف النص الشرعی کما قدمناه و کیف یـصـح ان یـقـال لا یـعتبـر مـطـلـقـا مـع ان کـل متـكـلـم انـمـا یقصد مایتعارفه. (رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۳۳)

وبـمـا قـررنـاه تبین لک ان ما تقدم عن الاشباه من ان المذهب عدم اعتبـار الـعـرف الـخـاص انـما هو فیما اذا عارض النص الشرعی فلا یترک به الـقـیـاس و لا یخص به الاثر بخلاف العرف العام کما مر تقریره فیما نقلناه عن الـذخیـرة فـی البـاب الاول و امـا الـعـرف الخاص اذا عارض النص المذهبی الـمـنـقـول عـن صـاحـب المذهب فهو معتبر کما مشی علیه اصحاب المتون .(رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۳۳)

مذکورہ بالاعبارات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے

(۱) عرف عام اور عرف خاص کا، جب نصوصِ شارع اور نصوصِ فقہا سے تعارض نہ ہو؛ تو دونوں بالاتفاق معتبر ہوں گے۔

(۲) عرف عام اور عرف خاص کا، جب نصوصِ شارع سے اس طرح تعارض ہو جائے ؛ کہ نص بالکلیہ متروک ہو جاتی ہو؛ تو دونوں بالاتفاق غیر معتبر ہوں گے۔

(۳) عرف عام کی وجہ سے شرعی نصوص میں تخصیص کرنا؛ جائز ہے، البتہ عرف خاص کی وجہ سے شرعی نصوص میں تخصیص کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں دو فریق ہیں: فریق اول

(جن میں حضرات مشائخ بلخ ہیں) نے عرف خاص کی وجہ سے نصوص شرعیہ میں تخصیص کی اجازت دی ہے، البتہ اس سے صرف حکم خاص ثابت ہوگا (مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے قاموس الفقہ: ۴/۳۸۵ میں اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے، نیز علامہ شامیؒ کی مذکورہ بالا عبارات سے اس کی تائید ہوتی ہے)، لیکن جمہور فقہا کا رجحان یہ ہے کہ عرف خاص کی وجہ سے نصوص شرعیہ میں تخصیص کرنا؛ جائز نہیں ہے۔

(۴) اگر عرف صرف ظاہر الروایہ کے معارض ہو اور وہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے؛ تو ایسی صورت میں ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر عرف پر عمل کریں گے، چاہے عرف عام ہو یا عرف خاص۔

(۵) اگر عرف صرف ظاہر الروایہ کے معارض ہو اور وہ مسئلہ ادلۂ شرعیہ اور نص شرعی سے ثابت ہے؛ تو عرف خاص کی وجہ سے ظاہر الروایہ کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، البتہ عرف عام کی وجہ سے ظاہر الروایہ کا ترک کرنا جائز ہے۔

(۶) عرف عام اگر قیاس کے مخالف ہو؛ تو قیاس کو چھوڑ کر عرف عام پر عمل کریں گے، البتہ عرف خاص اگر قیاس کے مخالف ہو؛ تو عرف خاص غیر معتبر ہوگا، **فان العرف الخاص لا یترک به القیاس فی الصحیح** (رسائل ابن عابدین: ۲/۱۱۸)۔ لیکن مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کے بقول: علامہ شامیؒ کی یہ بات اس اصول پر مبنی ہے کہ عرف خاص غیر معتبر ہے، ورنہ عرف خاص کو اگر معتبر تسلیم کیا جائے اور قیاس ایسی علت پر مبنی نہ ہو جس کے علت ہونے کی صراحت نص میں وارد ہو؛ تو پھر عرف خاص کی بنا پر بھی ترک قیاس درست ہونا چاہیے۔ (عرف وعادت: ۱۱۳)

تیسری تقسیم

عرف کے معتبر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے، عرف کی دو قسمیں ہیں: (۱) عرف

صحیح (۲) عرف فاسد

عرف صحیح

ایسا قولی یا فعلی رواج؛ جو نصِ شرعی یا شریعت کے اصول وقواعد کے خلاف نہ ہو؛ عرف صحیح کہلاتا ہے۔

عرف فاسد

ایسا قولی یا فعلی رواج؛ جو نصِ شرعی یا شریعت کے اصول وقواعد کے خلاف ہو؛ عرف فاسد کہلاتا ہے۔ (عرف وعادت:۱۸۳)

عرف کے معتبر ہونے کی شرطیں

شریعت میں عرف کے معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں

(۱) وہ عرف کلی یا اکثری ہو، کلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ میں سو فیصد اس عرف پر عمل ہوتا ہو اور اکثری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سماج میں اکثر واقعات میں اس عرف پر عمل ہوتا ہو۔

(۲) معاملہ کے وقت عرف موجود رہا ہو، اگر معاملہ کے وقت عرف نہیں تھا؛ بلکہ اس سے پہلے کسی زمانہ میں تھا، یا جب معاملہ قاضی کے پاس پہنچا؛ تو اس طرح کا عرف پیدا ہو چکا تھا؛ تو ان دونوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے (یعنی عرف قارِن کا اعتبار ہوگا، عرف سابق اور عرف طاری کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔

(۳) معاملہ کرنے والوں کی طرف سے عرف کے خلاف کوئی صراحت موجود نہ ہو، معاملہ یا معاہدہ کرتے وقت اگر فریقین نے عرف کے خلاف کوئی صراحت کردی، اور وہ مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہو؛ تو ایسی صورت میں عرف کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ صراحت کے مطابق عمل ہوگا۔

(۴) عرف کے معتبر ہونے کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اس عرف کو اختیار کرنے کی صورت میں شریعت کی کوئی نص یا شریعت کا کوئی قطعی اصول معطل نہ ہوتا ہو؛ ورنہ عرف کو چھوڑ کر نص پر عمل کریں گے؛ اس لیے کہ نصِ شریعت کے مقابلے میں، عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (مستفاد از: الاشباہ والنظائر: ۲۷۱ تا ۲۹۲، العرف لابی سنہ: ۵۶ تا ۶۵، العرف للمبارکی: ۸۹ تا ۱۰۲)

تمرینی سوالات

۱ - عرف صحیح اور فاسد کی تعریف کریں۔

۲ - عرف کے معتبر ہونے پر قرآن مجید اور حدیث سے استدلال پیش کریں۔

۳ - عرف عام کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر، علامہ شامیؒ کی رائے بیان کریں۔

۴ - عرف و عادت کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے، علامہ شامیؒ اور علامہ ابن نجیمؒ کی رائے ذکر کریں۔

۵ - عرف قولی اور عرف فعلی کی تعریف کریں۔

۶ - عرف اور اجماع میں جو فرق ہے؛ ان میں سے صرف تین کی وضاحت کریں۔

۷ - عرف کے معتبر ہونے کی جو شرائط ہیں؛ ان میں سے صرف دو شرطوں کا ذکر کریں۔

۸ - عرف و عادت کی لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کریں۔

۹ - عرف عام کن صورتوں میں معتبر اور غیر معتبر ہوتا ہے؟

۱۰ - عرف خاص کن صورتوں میں معتبر اور غیر معتبر ہوتا ہے؟

تیسرا باب

فقہی رموز واصطلاحات کے بیان میں

اس باب میں دو بنیادی عناوین کے تحت؛ کتب فقہ میں مذکور؛
پچاس (۵۰) رموز واصطلاحات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔

مرتب

مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر (۱) پھلواری شریف، پٹنہ

وہ اصطلاحات؛ جن سے فقہاءِ احناف کی طرف اشارہ ہوتا ہے

(۱) شیخین، صاحبین اور طرفین کی وضاحت

شیخین سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ؛ مراد ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ یہ دونوں امام محمدؒ کے استاذ ہیں۔ صاحبین سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ یہ دونوں امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں، نیز یہ دونوں درسی ساتھی بھی ہیں۔ طرفین سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ امام ابو یوسفؒ تعلیم و تعلم کے اعتبار سے دونوں کے مابین ہیں، بایں طور کہ امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں اور امام محمدؒ کے استاذ ہیں، تو اس اعتبار سے امام اعظم اور امام محمدؒ؛ امام ابو یوسفؒ کے دو کنارے ہوئے۔ (المذہب الحنفی: ۱/۳۲۰)

(۲) الاول، الثانی اور الثالث کی وضاحت

الاول سے امام اعظمؒ؛ مراد ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ مذھب میں ان کا مقام پہلے نمبر پر ہے۔ الثانی سے امام ابو یوسفؒ مراد ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ مذھب میں ان کا مقام دوسرے نمبر پر ہے۔ الثالث سے حضرت امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ مذھب میں ان کا مقام تیسرے نمبر پر ہے۔ (المذھب الحنفی: ۱/۳۱۴)

(۳) قال، لہ، عندہ اور عنہ کی وضاحت

اگر ضمیر کا مرجع ذکر نہ ہو؛ تو امام اعظمؒ مراد ہوتے ہیں۔ (عمدۃ الرعایہ: ۱/۸۴)

(۴) قالا، لھما، عندھما اور عنھما کی وضاحت

اگر ضمیر کا مرجع ذکر نہ ہو؛ تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں۔ (المدخل لابی الحاج: ۵۳۴)

(۵)عندہ اور عنہ کی وضاحت

اگر کسی قول کے بعد "عندہ" کا لفظ آئے؛ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور اگر "عنہ" کا لفظ آئے؛ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام صاحب کی ایک روایت ہے۔(ایضا:۵۳۵)

(۶)لفظ "قالوا" کی وضاحت

اس کا استعمال فقہا وہاں کرتے ہیں؛ جہاں مشائخ کا اختلاف ہو، نیز مصنف کی عادت کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے ضعیف قول کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ کی عادت ہے۔(عمدۃ الرعایہ:۱/۷۹)

(۷)متقدمین اور متاخرین کی وضاحت

اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:(۱)جن فقہا نے احناف کے ائمہ ثلاثہ کا زمانہ پایا ہے؛ وہ متقدمین ہیں اور جنھوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا؛ وہ متاخرین ہیں۔اسی طرف علامہ لکھنویؒ کا رجحان ہے(۲)علامہ ذہبیؒ کے نزدیک تیسری صدی کے آغاز کے بعد جو فقہا آئے؛ وہ متاخرین ہیں اور تیسری صدی سے پہلے کے فقہا؛ متقدمین ہیں(۳)امام محمدؒ تک کے فقہا متقدمین ہیں اور ان کے بعد سے ابوالفضل حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاریؒ (ف:۶۹۳ھ) تک کے فقہا متاخرین ہیں۔(عمدۃ الرعایہ:۱/۸۲،مبادیات فقہ:۴۳۔۷۴،المدخل لابی الحاج:۵۳۹)

(۸)سلف خلف اور متاخرین کی وضاحت

سلف سے امام ابوحنیفہؒ سے لیکر امام محمدؒ تک کے فقہا مراد ہوتے ہیں، خلف سے امام محمدؒ سے لیکر شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد حلوائیؒ (ف:۴۵۴ھ) تک کے فقہا مراد ہوتے ہیں اور متاخرین سے شمس الائمہ حلوائیؒ سے لیکر ابو الفضل حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاریؒ

(ف:۶۹۳ھ) تک کے فقہا مراد ہوتے ہیں۔(الفوائد البہیہ :۳۲۶،المذہب عند الحنفیہ :۲۹،المدخل للاشقر :۱۰۹،المدخل لابی الحاج:۵۳۹)

(۹) شمس الائمہ کی وضاحت

اس لقب سے احناف کے بہت سارے فقہا مشہور ہوئے ہیں،مثلاً: شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد حلوائیؒ،شمس الائمہ محمد بن عبد الستار کردریؒ،شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجریؒ،شمس الائمہ عماد الدین عمر بن بکر زرنجریؒ،شمس الائمہ محمود الاوزجندیؒ،شمس الائمہ اسماعیل بن حسن غازیؒ و غیرہ،اور جب شمس الائمہ مطلق بولا جائے؛تو محمد بن احمد بن ابوسہل السرخسیؒ مراد ہوتے ہیں۔(الفوائد البہیہ :۳۲۸،المدخل لعلی جمعہ:۱۱۵،المذہب الحنفی :۱/۳۱۹،المدخل للاشقر :۱۰۹)

(۱۰) شیخ الاسلام کی وضاحت

اس لقب سے احناف کے بہت سارے فقہا مشہور ہوئے ہیں،مثلاً شیخ الاسلام ابوالحسن علی السغدیؒ،شیخ الاسلام عطا بن حمزہ السغدیؒ،شیخ الاسلام علی بن محمد الاسبیجابیؒ،شیخ الاسلام عبد الرشید البخاریؒ،شیخ الاسلام برھان الدین علی بن ابوبکر المرغینانیؒ،شیخ الاسلام نظام الدین عمر بن علیؒ،شیخ الاسلام محمود الاوزجندیؒ وغیرہ،اور جب شیخ الاسلام مطلق بولا جائے؛تو علی بن محمد بن اسماعیل السمرقندی الاسبیجابیؒ مراد ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ قرشیؒ نے اس کی صراحت کی ہے،یا شیخ الاسلام بکر خواہر زادہؒ مراد ہوتے ہیں۔(المذہب الحنفی :۱/۳۱۹،المدخل لاحمد سعید:۴۳۱،المدخل لعلی جمعہ:۱۳۷)

(۱۱) صدر الشریعہ کی وضاحت

اس لقب سے احناف میں دو فقیہ مشہور ہیں:(۱)احمد بن عبید اللہ بن ابراھیم المحبوبیؒ(ف:۶۳۵ھ)؛جو تاج الشریعہ کے والد صاحب ہیں،ان کو صدر الشریعہ الاکبر اور صدر الشریعہ الاول سے بھی موسوم کیا جاتا ہے(۲)عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد بن عبید اللہؒ(ف:۷۴۵ھ)؛جو شرح الوقایہ کے مصنف ہیں،ان کو صدر الشریعہ الاصغر اور صدر الشریعہ الثانی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے،اور اگر صدر الشریعہ مطلق بولا جائے ؛تو یہی مراد ہوتے

ہیں۔(الفوائد البہیہ:۳۳،۱۴۱،۳۳۲،عمدۃ الرعایہ:۱/۱۰۳،المذھب الحنفی:۱/۳۲۱)

(۱۲) تاج الشریعہ کی وضاحت

اس لقب سے محمود بن احمد بن عبید اللہ بن ابراھیم المحبوبیؒ (ف:۶۷۳ھ) مراد ہوتے ہیں،''وقایۃ الروایہ فی مسائل الھدایہ'' آپ کی تصنیف ہے۔(عمدۃ الرعایہ:۱/۱۰۴،المدخل لاحمد سعید:۴۲۹)

(۱۳) خواہرزادہ کی وضاحت

خواہرزادہ کا لفظی معنی ہے: بہن کا جنا ہوا؛ یعنی بھانجا۔اس لقب سے احناف میں بہت سارے ایسے فقہا مشہور ہوئے؛ جو کسی مشہور فقیہ کے بھانجے تھے؛ البتہ جب لفظ ''خواہر زادہ'' بغیر نسبت کے بولا جائے؛ تو اس سے دو شخصیتیں مراد ہوتی ہیں: (۱) شیخ الاسلام بکر محمد بن حسین بخاریؒ (ف:۴۸۳ھ)، جو قاضی ابو ثابت محمد بن احمد بخاریؒ کے بھانجے تھے،ان کو بکر خواہرزادہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔(۲) علامہ بدرالدین محمد بن محمود کردریؒ (ف:۵۶۵ھ)، جو شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردریؒ کے بھانجے تھے،اور جب خواہرزادہ مطلق بولا جائے؛ تو مؤخر الذکر مراد ہوتے ہیں۔(الفوائد البہیہ:۳۳۰،المدخل لعلی جمعہ:۱۱۲،رسم المفتی:۲۰۱)

(۱۴) العبادلۃ/العبادلۃ الثلاثۃ کی وضاحت

محدثین کے نزدیک ''العبادلہ'' سے؛ عبداللہ بن زبیر،عبداللہ بن عباس،عبداللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ مراد ہوتے ہیں اور فقہا کے نزدیک ''العبادلہ'' سے؛ عبد اللہ بن زبیرؓ،عبداللہ بن عباسؓ،عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں۔اور العبادلۃ الثلاثۃ سے ؛عبداللہ بن عباسؓ،عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں۔(عمدۃ الرعایہ:۱/۹۱،المذھب الحنفی:۱/۳۳۳)

(۱۵) الحاکم الشھید کی وضاحت

اس لقب سے ابو الفضل محمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ المروزی البلخیؒ مراد ہوتے

ہیں۔الکافی،المختصر،المنتقی؛آپ کی تصانیف ہیں۔(الفوائدالبہیہ :۲۴۳)

(۱۶)الصدرالشہید کی وضاحت

اس لقب سے ابومحمد حسام الدین عمربن عبدالعزیزبن عمربن مازہؒ مراد ہوتے ہیں،آپ کی شہادت ۵۳۶ھ میں ہوئی۔(المدخل لاحمد سعید:۴۳۰)

(۱۷)الصدرالسعید کی وضاحت

اس لقب سے تاج الدین احمد بن عبدالعزیزبن عمربن مازہؒ؛مراد ہوتے ہیں۔(المدخل لاحمد سعید:۴۳۲)

(۱۸)صدرالاسلام کی وضاحت

اس لقب سے طاہر بن محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازہؒ؛مراد ہوتے ہیں۔(المدخل للاشقر:۱۰۹)

(۱۹)فخرالاسلام کی وضاحت

جب فخر الاسلام مطلق بولا جائے؛تو ابوالحسن علی بن محمد بزدویؒ(ف:۴۸۲ھ)مراد ہوتے ہیں۔(المصباح فی رسم المفتی:۲۸۵)

(۲۰)برھان الدین کی وضاحت

یہ محمود بن احمد بن عبد العزیزؒ(و:۵۵۱،ف:۶۱۶ھ)کا لقب ہے،آپ ''ذخیرۃ الفتاویٰ''اور''المحیط البرھانی'' کے مصنف ہیں۔(المدخل لاحمد سعید:۴۲۹)

(۲۱)برھان الدین الکبیر کی وضاحت

اس سے برھان الائمہ عبد العزیز بن عمر بن مازہؒ؛مراد ہوتے ہیں۔(المدخل لعلی جمعہ:۱۱۰)

(۲۲)برھان الاسلام کی وضاحت

اس سے رضی الدین محمد بن محمد سرخسیؒ(ف:۵۴۴ھ)مراد ہوتے ہیں۔(المدخل للاشقر:۱۰۹)

(۲۳)اصحابنا اور مشائخنا کی وضاحت

اصحاب سے عموماً امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین مراد ہوتے ہیں اور شاذ و نادر امام صاحب اور ان کے تمام بلا واسطہ شاگردان بھی مراد ہوتے ہیں اور مشائخ سے وہ فقہائے متقدمین مراد ہوتے ہیں؛ جنھوں نے امام اعظمؒ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔(آپ فتوی کیسے دیں:۴۷)

(۲۴)الحسن کی وضاحت

کتب فقہ میں جب لفظ حسن مطلق بولا جائے؛ تو اس سے حسن بن زیاد لؤلؤیؒ؛ مراد ہوتے ہیں اور کتب تفسیر میں حسن بصریؒ مراد ہوتے ہیں۔(عمدۃ الرعایہ:۱/۸۴)

(۲۵)الفضلی کی وضاحت

اس سے ابوبکر محمد بن الفضل بن الانیف الکماری البخاریؒ (ف:۳۸۱ھ) مراد ہوتے ہیں۔(ایضا:۸۵، المذھب الحنفی:۱/۳۲۵)

(۲۶)الکرمانی کی وضاحت

اس سے ابوالفتوح قوام الدین مسعود بن ابراھیم الکرمانیؒ (ف:۷۴۸ھ) مراد ہوتے ہیں۔(ایضا:۱/۳۲۵)

(۲۷)الکمال اور المحقق کی وضاحت

ان دونوں لفظوں سے علامہ ابن ہمامؒ محمد بن عبدالواحد مراد ہوتے ہیں، ہدایہ کی مشہور شرح ''فتح القدیر للعاجز الفقیر علی الھدایہ''؛ آپ کی تصنیف ہے۔(ایضا:۱/۳۲۶، ۳۲۸)

(۲۸) قارئ الھدایہ کی وضاحت

اس سے سراج الدین عمر بن علی کنانیؒ (ف:۸۲۹ھ) مراد ہوتے ہیں۔(الفوائد البہیہ:۲۳۵)

(۲۹)مفتی الثقلین کی وضاحت

اس سے نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد نسفیؒ (ف:۵۳۷ھ) مراد ہوتے ہیں۔(المدخل لاحمد سعید:۴۳۳)

(۳۰)برگلی کی وضاحت

اس سے محی الدین محمد بن پیر علیؒ (و:۹۲۹ھ،ف:۹۸۱ھ)مراد ہوتے ہیں۔(الاعلام:۶/۶۱)

(۳۱)امام الحرمین کی وضاحت

اس سے فقہائے احناف میں ابو المظفر یوسف بن ابراہیم بن محمد بن یوسفؒ مراد ہوتے ہیں۔(الفوائد البہیہ:۳۴۳)

(۳۲)زعفرانی کی وضاحت

اس سے فقہائے احناف میں محمد بن احمد بن احمد بن محمد بن عبدوسؒ (ف:۳۹۳ھ) مراد ہوتے ہیں۔(المدخل لعلی جمعہ:۱۱۳)

(۳۳)ملاخسرو کی وضاحت

اس سے محمد بن فراموز بن علیؒ (ف:۸۸۵ھ) مراد ہوتے ہیں،آپ ''غرر الاحکام'' اور ''درر الحکام''؛ کے مصنف ہیں۔(المدخل لاحمد سعید:۴۳۳)

(۳۴)الزاھد کی وضاحت

اس سے ابوبکر احمد بن محمد بن احمدؒ(ف:۳۷۶ھ)مراد ہوتے ہیں۔(المذھب الحنفی:۱/۳۱۸)

(۳۵)جرجانی کی وضاحت

اس سے محمد بن یحی بن مھدیؒ (ف:۳۷۸ھ)مراد ہوتے ہیں۔(المدخل لعلی جمعہ:۱۱۱)

(۳۶)شاشی کی وضاحت

اس سے فقہاء احناف میں ابوعلی احمد بن محمد بن اسحاق (ف:۳۴۴ھ)مراد ہوتے ہیں۔(المدخل لعلی جمعہ:۱۱۴)

(۳۷)صَبغی کی وضاحت

اس سے فقہاء احناف میں احمد بن عبد اللہ بن یوسف سمرقندیؒ (ف:۵۲۶ھ) مراد ہوتے ہیں۔(المدخل لعلی جمعہ:۱۱۶)

(۳۸)ظہیر الدین کی وضاحت

اس لقب سے بہت سے فقہا مشہور ہوئے ہیں؛ جن میں چند یہ ہیں (۱)ظہیر الدین الکبیر المرغینانی علی بن عبد العزیز بن عبد الرزاق (۲)ظہیر الدین المرغینانی حسن بن علی بن عبد العزیز (۳)ظہیر الدین البخاری محمد بن احمد؛ جو فتاوی ظہیریہ کے مصنف ہیں (۴)ظہیر الدین التمر تاشی احمد بن اسماعیل (۵)ظہیر الدین البلخی احمد بن علی بن عبد العزیز (۶)ظہیر الدین الولوالجی عبد الرشید (المدخل لعلی جمعہ:۱۱۷)

............☆............

وہ اصطلاحات؛ جن سے کتب مذہب کی طرف اشارہ ہوتا ہے

(۳۹)متونِ اربعہ کی وضاحت

اس سے مندرجہ ذیل چار کتابیں مراد ہوتی ہیں:۱۔اَلْـمُخْتَصَرْ فی فِقهِ الْحَنفی؛ جو امام قدوریؒ کی تصنیف ہے۔۲۔وِقـایَةُ الـرِّوایَـه فی مَسائِلِ الْهِدایَه ؛ جو تاج الشریعہ محمود بن احمدؒ کی تصنیف ہے۔۳۔کَنْزُ الدَّقائِق فی فُرُوعِ الْحَنَفِیَّه؛ جو ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفیؒ کی تصنیف ہے۔۴۔اَلْـمُختارُ لِلْفتویٰ علی مَذْهَبِ أبی حَنِیفة ؛ جو ابوالفضل مجد الدین عبداللہ بن محمود بن مودودؒ کی تصنیف ہے، بعض فقہا نے ''المختار'' کے بجائے ''مَـجْـمَـعُ الْبَحْرَین وَمُلْتَقی النَّهْرَین / النَّیِّرَین'' کا نام لیا ہے؛ جو ابن الساعاتیؒ کی تصنیف ہے (المدخل للاشقر:۱۰۵، فقہ اسلامی تدوین وتعارف:۱۲۵)

(۴۰) متونِ ثلاثہ کی وضاحت

اس سے مختصر قدوری، کنز الدقائق اور المختار للفتوی؛ مراد ہوتی ہیں۔(المذھب الحنفی:۱/۳۴۰)

(۴۱) ظاہر الروایہ اور الاصول کی وضاحت

ان دونوں لفظوں سے امام محمدؒ کی کتب ستہ: مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، سیر صغیر اور سیر کبیر مراد ہوتی ہیں، بسا اوقات ان کتابوں میں مذکور مسائل پر ظاہر الروایہ کا اطلاق ہوتا ہے۔(ایضا:۱/۳۳۹، مزید دیکھیے المدخل لابی الحاج:۵۴۸تا۵۵۰، رسم المفتی:۶۹و۷۳)

(۴۲) الاصل کی وضاحت

اس سے امام محمدؒ کی ''مبسوط'' مراد ہوتی ہے؛ چوں کہ یہ امام محمدؒ کی پہلی تصنیف ہے، اس لیے اس کو الاصل سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔(رسم المفتی:۷۷)

وَاشتَهَرَ الْمَبْسُوطُ بِالاَصْلِ وَ ذا   لِسَبْقِهِ السِّتَّةِ تَصْنِيفاً كَذا

ترجمہ: اور مبسوط کتاب اصل کے نام سے مشہور ہوگئی ہے؛ اس لیے کہ تصنیف کے اعتبار سے وہ چھ کتابوں پر مقدم ہے۔

(۴۳) الکتاب کی وضاحت

اس سے امام قدوریؒ کی المختصر مراد ہوتی ہے؛ اسی لیے جب عبد الغنی بن طالب المیدانیؒ (ف:۱۲۷۴ھ) نے اس کی شرح لکھی تو اس کا نام ''اَللُّبَاب فِی شَرحِ الْکِتاب'' رکھا۔(المذھب الحنفی:۱/۳۳۹)

(۴۴) المحیط کی وضاحت

اس نام سے فقہ حنفی میں دو کتابیں مشہور ہیں: (۱) محیط رضوی/محیط سرخسی؛ جس کے مصنف رضی الدین محمد بن محمد بن محمد سرخسیؒ ہیں (۲) المحیط البرھانی؛ جس کے مصنف برھان الدین محمود بن احمد بن عبد العزیزؒ ہیں اور علامہ ابن امیر حاجؒ کے بقول: جب ''المحیط'' مطلق بولا جائے؛ تو اس سے المحیط البرھانی مراد ہوتی ہے۔(الفوائد البہیہ:۳۳۴، ۲۴۷)

(۴۵) رَقّیات کی وضاحت

یہ ان مسائل کے مجموعہ کا نام ہے؛ جن کو امام محمدؒ نے ''رَقّہ'' شہر میں عہدۂ قضا پر فائز رہنے کے زمانہ میں جمع کیا تھا؛ جن کو آپ کے واسطہ سے محمد بن سماعہؒ نے روایت کیا ہے۔ (المدخل لابی الحاج:۵۵۱)

(۴۶) جُرجانیات کی وضاحت

یہ ان مسائل کے مجموعہ کا نام ہے؛ جن کو امام محمدؒ نے شہر ''جُر جان'' میں جمع کیا تھا؛ جن کو آپ کے واسطے سے علی بن صالح جرجانیؒ نے روایت کیا ہے۔ (المدخل لابی الحاج:۵۵۱)

(۴۷) ھارونیات کی وضاحت

یہ ان مسائل کے مجموعہ کا نام ہے؛ جن کو امام محمدؒ نے ہارون رشیدؒ کے زمانہ میں جمع کیا تھا، یا جن کو امام محمدؒ نے ہارون نامی آدمی کے لیے جمع کیا تھا۔ (المصباح فی رسم المفتی:۳۱۲)

(۴۸) کیسانیات کی وضاحت

یہ ان مسائل کے مجموعہ کا نام ہے؛ جن کو سلیمان بن شعیب کیسانیؒ (ف:۲۷۸) نے اپنے والد کے واسطے سے امام محمدؒ سے روایت کیا ہے۔ (المذھب الحنفی:۱/۳۶۰)

(۴۹) الکافی کی وضاحت

اس سے حاکم شہید کی کتاب ''الکافی فی فروع الحنفیہ'' مراد ہوتی ہے؛ جس میں انھوں نے کتب ستہ کے مسائل کو جمع کیا ہے، اس کی سب سے مفصل اور مقبول شرح، شمس الائمہ السرخسیؒ کی مبسوط ہے۔

وَيَجْمَعُ السِّتَّ كِتَابُ الْكَافِي   لِلحاكِمِ الشهيدِ   فَهُوَ الكافي
اَقْوىٰ شُرُوحِهِ الَّذِي كالشَّمْسِ   مَبْسُوطُ شَمسِ الأئِمّةِ السَّرَخْسي
مُعْتَمَدُ النُّقُول لَيسَ يُعمَلْ   بِخُلْفِهِ وَلَيسَ عَنهُ يُعدَلْ

ترجمہ:اور کتب ستہ (کے مسائل) کو، حاکم شہید کی کتاب ''الکافی'' جمع کرتی ہے، پس وہی کافی ہے۔اس کی سب سے مضبوط شرح؛ شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط ہے، جو سورج کی طرح ہے۔مسائل کو نقل کرنے میں وہ قابل اعتماد ہے، لہذا اس کے خلاف قول پر نہیں عمل کیا جائے گا اور مبسوط سے روگردانی نہیں کی جائے گی۔(رسم المفتی:۸۱)

(۵۰) مبسوط کی وضاحت

اس نام سے فقہ حنفی میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، علامہ جرجانیؒ، خواہر زادہؒ، شمس الائمہ حلوائیؒ، ابوالیسر بزدویؒ، فخر الاسلام بزدویؒ، سید ناصر الدین سمرقندیؒ اور ابو اللیث سمرقندیؒ کی مبسوطات ہیں، لیکن جب مبسوط مطلق بولا جائے؛ تو شمس الائمہ سرخسیؒ کی مبسوط مراد ہوتی ہے، جو الکافی کی شرح ہے۔(رسم المفتی:۸۳)

چوتھا باب

مشاہیر فقہاء کرام کا مختصر تعارف

اس باب میں فقہائے احناف میں سے
پچاس مشہور فقہاء کرام کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے

مرتب
مفتی رضوان نسیم قاسمی
استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر (۱) پھلواری شریف، پٹنہ

(۱)امام ابوحنیفہؒ

آپ کا نام نعمان بن ثابت بن زُوطی ہے،کنیت ابوحنیفہ ہے،سن ولادت ۸۰ھ اور سن وفات ۱۵۰ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام الفقہ الاکبر ہے۔(الاعلام:۳۶/۸)

(۲)امام مالکؒ

آپ کا نام مالک بن انس بن مالک ہے،کنیت ابوعبداللہ ہے،سن ولادت ۹۳ھ اور سن وفات ۱۷۹ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام المؤطا ہے۔(الاعلام:۲۵۷/۵)

(۳)امام شافعیؒ

آپ کا نام محمد بن ادریس بن عباس بن شافع ہے،کنیت ابوعبداللہ ہے،سن ولادت ۱۵۰ھ اور سن وفات ۲۰۴ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام الام ہے۔(الاعلام:۲۶/۶)

(۴)امام احمدؒ

آپ کا نام احمد بن محمد بن حنبل ہے،کنیت ابوعبداللہ ہے،سن ولادت ۱۶۴ھ اور سن وفات ۲۴۱ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام مسند امام احمد ہے۔(الاعلام:۲۰۳/۱)

(۵)امام ابویوسفؒ

آپ کا نام یعقوب بن ابراہیم بن حبیب ہے،کنیت ابویوسف ہے،سن ولادت ۱۱۳ھ اور سن وفات ۱۸۲ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام اختلاف ابی حنیفۃ وابن لیلی ہے۔(الاعلام:۱۹۳/۸)

(۶)امام محمدؒ

آپ کا نام محمد بن حسن بن فرقد ہے،کنیت ابوعبداللہ ہے،سن ولادت ۱۳۱ھ اور سن وفات ۱۸۹ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام المبسوط ہے۔(الاعلام:۸۰/۶)

(۷)امام زفرؒ

آپ کا نام زفر بن ہذیل بن قیس ہے،کنیت ابوالہذیل ہے،سن ولادت ۱۱۰ھ اور سن

وفات ۱۵۸ھ ہے۔(الاعلام:۳/۴۵)

(۸)امام حماد بن ابی حنیفہؒ

آپ کا نام حماد بن نعمان بن ثابت ہے،کنیت ابو اسماعیل ہے،سن ولادت ۱۱۰ھ ہے۔(فتاوی قاسمیہ:۱/۶۹)

(۹)امام عبداللہ بن مبارکؒ

آپ کا نام عبداللہ بن مبارک ہے،کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے،سن ولادت ۱۱۸ھ اورسن وفات ۱۸۱ھ ہے۔(الاعلام:۴/۱۱۵)

(۱۰)امام حسن بن زیادؒ

آپ کا نام حسن بن زیاد لولوی کوفی ہے،کنیت ابوعلی ہے،سن وفات ۲۰۴ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام المجرد ہے۔(الاعلام:۲/۱۹۱)

(۱۱)امام خصافؒ

آپ کا نام احمد بن عمیر بن مہیر ہے،کنیت ابوالحسن ہے،سن ولادت ۱۸۱ھ اورسن وفات ۲۶۱ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام ادب القضاء ہے۔(الاعلام:۱/۱۸۵)

(۱۲)امام طحاویؒ

آپ کا نام احمد بن محمد بن سلامہ ہے،کنیت ابوجعفر ہے،سن ولادت ۲۳۹ھ اورسن وفات ۳۲۱ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام شرح معانی الآثار ہے۔(الاعلام:۱/۲۰۶)

(۱۳)حاکم شہید المروزی البلخیؒ

آپ کا نام محمد بن محمد بن احمد ہے،کنیت ابوالفضل ہے،سن وفات ۳۳۴ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام الکافی ہے۔(الاعلام:۷/۱۹)

(۱۴)امام کرخیؒ

آپ کا نام عبیداللہ بن حسین بن دلہم ہے،کنیت ابوالحسن ہے،سن ولادت ۲۶۰ھ اورسن

وفات ۳۴۰ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام اصول کرخی ہے۔(الاعلام:۱۹۳/۴)

(۱۵)امام ہندوانی بلخیؒ

آپ کا نام محمد بن عبد اللہ بن محمد ہے، کنیت ابو جعفر ہے، سن ولادت ۳۰۰ھ اور سن وفات ۳٦۲ھ ہے۔(الفوائد البہیہ:۳۳۴)

(۱٦)امام جصاص رازیؒ

آپ کا نام احمد بن علی بن حسین ہے، کنیت ابو بکر ہے، سن ولادت ۳۰۵ھ اور سن وفات ۳۷۰ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام احکام القرآن ہے۔(الاعلام:۱۷۱/۱)

(۱۷)فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ

آپ کا نام نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم ہے، کنیت ابو اللیث ہے، سن وفات ۳۷۳ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام النوازل من الفتاوی ہے۔(الاعلام:۲۷/۸)

(۱۸)امام قدوریؒ

آپ کا نام احمد بن محمد بن احمد ہے، کنیت ابو الحسین ہے، سن ولادت ۳٦۲ھ اور سن وفات ۴۲۸ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام المختصر فی فروع الحنفیۃ ہے۔(الاعلام:۲۱۲/۱)

(۱۹)امام ابو زید دبوسیؒ

آپ کا نام عبد اللہ بن عمر بن عیسی ہے، کنیت ابو زید ہے، سن وفات ۴۳۰ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام تاسیس النظر ہے۔(الاعلام:۱۰۹/۴)

(۲۰)شمس الائمہ حلوائیؒ

آپ کا نام عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح ہے، کنیت ابو محمد ہے، سن وفات ۴۴۸ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام مبسوط ہے۔(الاعلام:۱۳/۴)

(۲۱)شمس الائمہ سرخسیؒ

آپ کا نام محمد بن احمد بن سہل ہے، کنیت ابو بکر ہے، سن وفات ۴۸۳ھ ہے، آپ کی

مشہور تصنیف کا نام مبسوط سرخسی ہے۔(الاعلام:۳۱۵/۵)

(۲۲) فخر الاسلام بزدویؒ

آپ کا نام علی بن محمد بن حسین بن عبد الکریم ہے، کنیت ابوالحسن (ابوالعسر) ہے، سن ولادت ۴۰۰ھ اور سن وفات ۴۸۲ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام اصول البزدوی ہے۔(الاعلام:۳۲۸/۴)

(۲۳) صدر الاسلام بزدویؒ

آپ کا نام محمد بن محمد بن حسین بن عبد الکریم ہے، کنیت ابوالیسر ہے، سن ولادت ۴۲۱ھ اور سن وفات ۴۹۳ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام اصول الدین ہے۔(الاعلام:۲۲/۷)

(۲۴) شیخ الاسلام الاسبیجابیؒ

آپ کا نام علی بن محمد بن اسماعیل ہے، سن ولادت ۴۵۴ھ اور سن وفات ۵۳۵ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام شرح مختصر الطحاوی ہے۔(الاعلام:۳۲۹/۴)

(۲۵) امام نجم الدین نسفیؒ

آپ کا نام عمر بن محمد بن احمد ہے، کنیت ابوحفص ہے، سن ولادت ۴۶۱ھ اور سن وفات ۵۳۷ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام العقائد النسفیہ ہے۔(الاعلام:۶۰/۵)

(۲۶) ظہیر الدین ولوالجیؒ

آپ کا نام عبد الرشید بن ابوحنیفہ بن عبد الرزاق ہے، کنیت ابوالفتح ہے، سن ولادت ۴۶۷ھ اور سن وفات ۵۴۰ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام فتاوی ولوالجیہ ہے۔(الفوائد البہیہ:۱۲۱)

(۲۷) امام ابونصر العتّابیؒ

آپ کا نام احمد بن محمد بن عمر ہے، کنیت ابونصر ہے، سن وفات ۵۸۲ھ ہے، آپ کی

مشہور تصنیف کا نام الفتاوی العتابیہ ہے۔(الفوائد البہیہ:۴۸)

(۲۸)امام علاء الدین کاسانیؒ

آپ کا نام ابوبکر بن مسعود بن احمد ہے،سن وفات ۵۸۷ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ہے۔(الاعلام:۲/۷۰)

(۲۹)امام فخر الدین قاضی خانؒ

آپ کا نام حسن بن منصور بن محمود ہے،کنیت ابو المفاخر ہے،سن وفات ۵۹۲ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام فتاوی قاضی خان ہے۔(الاعلام:۲/۲۲۴)

(۳۰)امام برہان الدین مرغینانیؒ

آپ کا نام علی بن ابوبکر بن عبد الجلیل ہے،کنیت ابوالحسن ہے،سن ولادت ۵۳۰ھ اور سن وفات ۵۹۳ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام الہدایہ الی بدایۃ المبتدی ہے۔(الاعلام:۴/۲۶۶)

(۳۱)امام برہان الدین البخاریؒ

آپ کا نام محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ ہے،آپ کا لقب برہان الدین ہے،سن ولادت ۵۵۱ھ اور سن وفات ۶۱۶ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام المحیط البرہانی ہے۔(الاعلام:۷/۱۶۱)

(۳۲)امام ظہیر الدین بخاریؒ

آپ کا نام محمد بن احمد بن عمر ہے،کنیت ابوبکر ہے،سن وفات ۶۱۹ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام فتاوی ظہیریہ ہے۔(رسم المفتی:۲۳۴،الفوائد البہیہ:۲۰۳)

(۳۳)امام مجد الدین الموصلیؒ

آپ کا نام عبد اللہ بن محمود بن مودود ہے،کنیت ابوالفضل ہے،سن ولادت ۵۹۹ھ اور

سن وفات ۶۸۳ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام المختار للفتوی علی مذہب ابی حنیفہ ہے۔(الاعلام:۴/۱۳۵)

(۳۴)امام ابن الساعاتیؒ

آپ کا نام احمد بن علی بن ثعلب ہے،لقب مظفر الدین ہے،سن وفات ۶۹۴ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام مجمع البحرین وملتقی النہرین ہے۔(الاعلام:۱/۱۷۵)

(۳۵)امام حافظ الدین نسفیؒ

آپ کا نام عبد اللہ بن احمد بن محمود ہے،کنیت ابو البرکات ہے،سن وفات ۷۱۰ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام کنز الدقائق فی فروع الحنفیہ ہے۔(الاعلام:۴/۶۸)

(۳۶)فخر الدین زیلعیؒ

آپ کا نام عثمان بن علی بن محجن ہے،کنیت ابو محمد ہے،سن وفات ۷۴۳ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ہے۔(الاعلام:۴/۲۱۰)

(۳۷)تاج الشریعہؒ

آپ کا نام محمود بن احمد بن عبید اللہ ہے،سن وفات ۷۴۷ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام وقایۃ الروایہ فی مسائل الہدایہ ہے۔(الفوائد البہیہ:۲۷۲)

(۳۸)اکمل الدین بابرتیؒ

آپ کا نام محمد بن محمد بن محمود ہے،کنیت ابو عبد اللہ ہے،سن ولادت ۷۱۴ھ اور سن وفات ۷۸۶ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام العنایہ ہے جو ہدایہ کی شرح ہے۔(الاعلام:۷/۴۲)

(۳۹)حافظ الدین بزازیؒ

آپ کا نام محمد بن محمد بن شہاب الدین ہے،سن وفات ۸۲۷ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام الجامع الوجیز ہے؛ جو فتاوی بزازیہ کے نام سے مشہور ہے۔(الاعلام:۷/۴۵)

(۴۰)امام بدر الدین عینیؒ

آپ کا نام محمود بن احمد بن موسی ہے،کنیت ابو محمد ہے،سن ولادت ۷۶۲ھ اور سن وفات

۸۵۵ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام البنایہ ہے؛ جو ہدایہ کی شرح ہے۔(الاعلام:۱۶۳/۷)

(۴۱) کمال الدین ابن ہمامؒ

آپ کا نام محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید ہے،سن ولادت ۷۹۰ھ اور سن وفات ۸۶۱ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام فتح القدیر ہے؛ جو ہدایہ کی شرح ہے۔(الاعلام:۲۵۵/۶)

(۴۲) امام ابن قطلو بغاؒ

آپ کا نام محمد بن محمد بن عمر بن قطلو بغا ہے،کنیت ابو الفداء ہے،سن ولادت ۸۰۲ھ اور سن وفات ۸۸۱ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام تاج التراجم ہے۔(الاعلام:۵۰/۷)

(۴۳) امام ابن کمال پاشاؒ

آپ کا نام احمد بن سلیمان بن کمال ہے،سن وفات ۹۴۰ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام الاصلاح والایضاح ہے۔(الاعلام:۱۳۳/۱)

(۴۴) شمس الدین قہستانیؒ

آپ کا نام محمد بن حسام الدین ہے،سن وفات ۹۵۳ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام جامع الرموز فی شرح النقایہ ہے۔(الاعلام:۱۱/۷)

(۴۵) امام ابن نجیمؒ

آپ کا نام زین الدین بن ابراہیم بن محمد ہے،سن ولادت ۹۲۶ھ اور سن وفات ۹۷۰ھ ہے،آپ کی مشہور تصنیف کا نام البحر الرائق ہے؛ جو کنز کی شرح ہے۔(الاعلام:۶۴/۳)

(۴۶) شمس الدین تمر تاشیؒ

آپ کا نام محمد بن عبداللہ بن احمد ہے،سن ولادت ۹۳۹ھ اور سن وفات ۱۰۰۴ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام تنویر الابصار ہے۔(الاعلام:۲۳۹/۶)

(۴۷) امام شرنبلالیؒ

آپ کا نام حسن بن عمار بن علی ہے،سن ولادت ۹۹۴ھ اور سن وفات ۱۰۶۹ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام نور الایضاح ہے۔(الاعلام:۲۰۸/۲)

(۴۸)علاء الدین حصکفیؒ

آپ کا نام محمد بن علی بن محمد ہے، لقب علاء الدین ہے، سن ولادت ۱۰۲۵ھ اور سن وفات ۱۰۸۸ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام الدر المختار ہے۔ (الاعلام:۲۹۴/۶)

(۴۹)امام طحطاویؒ

آپ کا نام احمد بن محمد بن اسماعیل ہے، سن وفات ۱۲۳۱ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ہے۔ (الاعلام:۲۴۵/۱)

(۵۰)امام ابن عابدین شامیؒ

آپ کا نام محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن عابدین ہے، سن ولادت ۱۱۹۸ھ اور سن وفات ۱۲۵۲ھ ہے، آپ کی مشہور تصنیف کا نام رد المحتار علی الدر المختار ہے۔ (الاعلام:۴۲/۶)

اللہ کے فضل وکرم سے کتاب مکمل ہوگئی، فالحمد للہ علی ذلک۔

رضوان نسیم قاسمی

یا رب صل و سلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

مصادرومراجع

۱ ۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین:علامہ ابن قیم الجوزیؒ،دار ابن الجوزی المملکۃ العربیہ السعودیہ۔

۲ ۔ التبیان فی اقسام القرآن:علامہ ابن قیم الجوزیؒ،عالم الکتب۔

۳ ۔ شرح عقود رسم المفتی،علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامیؒ،مکتبہ اتحاد دیوبند۔

۴ ۔ رد المحتار علی الدر المختار:علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامیؒ،مکتبہ زکریا دیوبند۔

۵ ۔ الاشباہ والنظائر:علامہ زین الدین بن ابراہیمؒ(ابن نجیم)،دار الکتاب دیوبند۔

۶ ۔ ادب المفتی والمستفتی:علامہ ابوعمرو عثمان بن عبد الرحمٰن(ابن الصلاح)،مکتبۃ العلوم والحکم۔

۷ ۔ المجموع شرح المہذب:علامہ ابوزکریا محی الدین بن شرف نوویؒ،مکتبۃ الرشاد جدہ۔

۸ ۔ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر:ابو الحسنات عبد الحی بن عبد الحلیم لکھنویؒ،ادارۃ القرآن کراچی۔

۹ ۔ عمدۃ الرعایہ شرح شرح الوقایہ:ابو الحسنات عبد الحی بن عبد الحلیم لکھنویؒ،دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔

۱۰ ۔ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ :ابوالحسنات عبد الحی بن عبد الحلیم لکھنویؒ،مکتبہ اتحاد دیوبند۔

۱۱ ۔ فتاوی قاضی خان:علامہ حسن بن منصورؒ(قاضی خان)،مکتبہ اتحاد دیوبند۔

۱۲ ۔ الحاوی القدسی فی فروع الحنفیۃ:علامہ جمال الدین احمد بن محمود غزنویؒ،دار النوادر۔

۱۳ ۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف:حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ،دار النفائس اردن۔

۱۴ ۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید:حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ،دار الفتاح الشارقۃ۔

۱۵ ۔ الاعلام:علامہ خیر الدین زِرکلی،بیروت۔

۱۶ ۔ اصول الافتاء وآدابہ:شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی،دار القلم دمشق۔

۱۷ ۔ قاموس الفقہ :فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔

۱۸ ۔ فقہ اسلامی تدوین وتعارف:فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔

۱۹ ۔ المصباح فی رسم المفتی ومناھج الافتاء: مفتی کمال الدین صاحب راشدی، مکتبہ اتحاد دیوبند۔
۲۰ ۔ المذھب الحنفی: الدکتور احمد بن محمد نصیر الدین النقیب، مکتبۃ الرشد الریاض۔
۲۱ ۔ المذھب عند الحنفیۃ: الدکتور محمد ابراہیم احمد علیؒ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ۔
۲۲ ۔ المدخل المفصل الی الفقہ الحنفی: الدکتور صلاح ابوالحاج، دار الفتح للدراسات والنشر۔
۲۳ ۔ المدخل الی مذھب ابی حنیفۃ: الدکتور احمد سعید حوی، دار الاندلس جدہ۔
۲۴ ۔ المدخل الی علم الفقہ: الدکتور سلیمان بن عبداللہ ابا الخیل، ریاض۔
۲۵ ۔ المدخل الی دراسۃ المذاھب الفقھیہ: الدکتور علی جمعہ محمد، دار السلام قاہرہ۔
۲۶ ۔ المدخل الی دراسۃ المدارس: الدکتور عمر سلیمان الاشقر، دار النفائس اردن۔
۲۷ ۔ اصول الفقہ الاسلامی: الدکتور وھبہ الزحیلیؒ، دار الفکر دمشق۔
۲۸ ۔ الوجیز فی اصول الفقہ الاسلامی: الدکتور محمد مصطفیٰ الزحیلی، دار الفکر دمشق۔
۲۹ ۔ الموجز فی اصول الفقہ: شیخ محمد عبید اللہ الاسعدی، دار السلام الازھر۔
۳۰ ۔ العادۃ محکمۃ: الدکتور یعقوب بن عبدالوہاب الباحسین، مکتبۃ الرشد الریاض۔
۳۱ ۔ العرف واثرہ فی الشریعۃ والقانون: الدکتور احمد بن علی سیر المبارکی، مکتبۃ الرشد الریاض۔
۳۲ ۔ العرف والعادۃ فی رأی الفقہاء: الدکتور احمد فہمی ابوسنہ، مطبعۃ الازھر۔
۳۳ ۔ عرف وعادت: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، ایفا پبلیکیشنز دہلی۔
۳۴ ۔ الفقیہ والمتفقہ: حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادیؒ، دار ابن الجوزی سعودیہ۔
۳۵ ۔ آداب افتاواستفتا: مولانا زید صاحب مظاہری ندوی، ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ۔
۳۶ ۔ دین وشریعت کی بنیادیں اور فقہی اصول وضابطے، مولانا زید صاحب مظاہری ندوی، ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ۔
۳۷ ۔ تنظیم الفتوی احکامہ آلیاتہ: الدکتور محمد الزحیلی، جامعۃ الشارقۃ۔
۳۸ ۔ الفتیا ومناھج الافتاء: الدکتور محمد سلیمان عبداللہ الاشقر، مکتبۃ المنار الاسلامیہ کویت۔
۳۹ ۔ الفتوی بین الانضباط والتسیب: الدکتور یوسف القرضاوی، دار الصحوۃ القاہرۃ۔
۴۰ ۔ فتوی نویسی کے رہنما اصول: فقیہ النفس مفتی سلمان صاحب منصور پوری، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔
۴۱ ۔ آپ فتوی کیسے دیں؟ محدث کبیر مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، مکتبہ حجاز دیوبند۔
۴۲ ۔ مبادیات فقہ: مفتی اسماعیل صاحب کچھولویؒ، مکتبہ حجاز دیوبند۔

............☆............

ماخوذ از تقاریظِ اکابر

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی

اسی ضرورت کی طرف توجہ کرتے ہوئے عزیز گرامی مولانا رضوان نسیم قاسمی سلمہ اللہ تعالی نے مختصر مفید رسالہ مرتب کیا ہے۔ راقم الحروف نے پٹنہ کے سفر میں اس رسالہ کو مختلف مقامات سے دیکھا اور مفید پایا...... اللہ نے ان کو صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے اور صالحیت سے بھی نوازا ہے۔

متکلم اسلام مفتی محمد راشد صاحب اعظمی

کتاب کے شائقین کے لیے یہ بات باعث مسرت ہے؛ کہ جناب مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی نے کتاب کے تمام مباحث کو آسان، منقح اور مدلل انداز میں سمیٹ دیا ہے؛ جو ایک بہترین، جامع اور مفید خدمت ہے۔

فقیہ النفس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری

اب مزید مسرت کی بات ہے کہ مفتی رضوان نسیم قاسمی نے ایک منفرد انداز میں کتاب کی تلخیص فرمائی ہے، تمام مباحث کو بہت آسان طریقہ پر سمیٹ دیا ہے اور ساتھ میں مشاہیر فقہاء احناف کا مختصر تعارف بھی شامل کردیا ہے؛ جس سے بالخصوص طلبۂ افتا کو کتاب سے استفادہ کرنے میں بہت سہولت ہوگی۔

محقق العصر مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی

اسی سلسلہ کی ایک کڑی مفتی رضوان نسیم قاسمی کی ''نسیم المفتی'' ہے: جسے ہندستان کے سرخیل علماء کرام نے پسند کیا ہے، مجھے قوی امید ہے کہ موصوف کی یہ کتاب؛ شرح عقود رسم المفتی کی طرح قبولیت عامہ حاصل کرے گی اور طلبۂ افتا و اساتذہ کے لیے، رسم المفتی کے مباحث کو حل کرنے میں بہترین معاون ثابت ہوگی۔